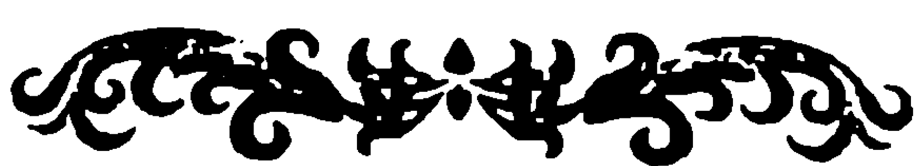
وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

یعنی

اِنباءُ الاَنباءِ فی حیاۃِ الانبیاء



مؤلف:
الشیخ الامام العالم المحدث
ابوالحسن بن محمد صادق السندی الصغیر رحمۃ اللہ علیہ
مترجم:
حضرت مولانا مفتی محمد خالد ہالوی
مدیر جامعہ دار العلوم الاسلامیہ ہالا

اَلْاَنْبِیَآءُ اَحْیَآءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ

انبیاء (علیہم السلام) اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

حَیَاۃُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

یعنی

انباء الانباء فی حیاۃ الانبیاء

مؤلف

الشیخ الامام العالم المحدث

ابو الحسن ابن محمد صادق السندی رحمہ اللہ الصغیر

اردو ترجمہ

حضرت مولانا مفتی محمد خالد صاحب ھالوی حفظہ اللہ

مؤسس ومدیر جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ ھالا

ناشر

مکتبہ دارالعلوم الاسلامیہ ھالا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(حرفے چند)

الامام المحدث ابوالحسن بن محمد صادق السندی الصغیر رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش سندھ کے شہر ٹھٹھہ میں ۱۳۴۵ھ میں ہوئی۔ اپنے والد گرامی مخدوم محمد صادق صاحب سے تحصیل علم کی ابتداء ہوئی۔ مخدوم محمد معین سندھی، شیخ عبدالولی بن سعد اللہ سلالی سورتی سے بھی پڑھا۔ سندھ کی عظیم دینی شخصیت مولانا محمد حیات سندھی سے حرم نبوی میں تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے جو کتابیں لکھیں اس کی تفصیل آگے کتاب کے اوائل میں ملاحظہ کریں گے۔ ان میں ایک کتاب ''إِنبَاءُ الأَنبَاءِ فِي حَيَاتِ الأَنبِيَاء'' نامی رسالہ بھی ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ ہالہ سندھ کے بانی و مہتمم مولانا مفتی محمد خالد ہالوی مدظلہم نے اس کا اردو ترجمہ اور حواشی تحریر فرمائے۔ اس مجموعہ میں اس کتاب کو شامل اشاعت کر رہے ہیں۔ (ناشر)

افتتاحیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلیٰ رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

کافی سال ہوئے کہ حضرت مولانا محمد ایوب بندھانی صاحب مدظلہ العالی نے کتاب ''انباء الانباء فی حیاۃ الانبیاء'' عنایت فرمائی اور از راہِ محبت حکم فرمایا کہ اس کو اردو کا لباس پہنایا جائے۔ احقر نے سعادت سمجھ کر اس ذمہ داری کی حامی بھر لی۔

یہ کتاب بارہویں صدی کے عظیم المرتبت حضرت مولانا محمد صادق صاحب سندھی رحمۃ اللہ علیہ جو سلسلہ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے تھے اور تین واسطوں سے آپ کا سلسلہ بیعت عروۃ الوثقیٰ شیخ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۱۱۴۹ھ) سے تھا۔ ان کے فرزند ارجمند حضرت علامہ ابوالحسن صغیر کی ہے۔ علامہ ابوالحسن صغیر کی ولادت سندھ کے مردم خیز شہر ٹھٹھہ میں ۱۳۳۵ھ ہوئی ہے۔ آپ مروجہ علوم ٹھٹھہ میں حاصل کرنے کے بعد حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا تشریف لے گئے، جہاں آپ شیخ محمد حیات سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شامل ہوئے اور آپ حدیث شریف میں بڑا مقام پا کر مجتہد کے درجہ پر فائز ہوئے۔ اس کے باوجود آپ مسلکاً حنفی تھے۔ آپ بڑے خوش نویس تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ بخاری شریف پر اعراب لگائے رکھتے تھے۔ آپ کا مخطوطہ بخاری شریف ایک سو ریال میں فروخت ہوتا تھا۔ آپ کے مزید حالات مقدمہ میں ملاحظہ فرمائیں جو کہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ قاسمی السندی رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر کردہ ہے جو کہ ایک بڑا وقیع ہے۔

موضوع کا تعارف

انبیاء علیہم السلام اپنے قبور میں حیات اور زندہ ہیں اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ اس موضوع پر سب سے پہلے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ''جزء فی حیاۃ الانبیاء علیہم السلام'' لکھی۔ نیز علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ﷺ'' میں اس موضوع پر کافی لکھا ہے۔ نیز اس موضوع پر شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء علیہم السلام'' لکھی۔ نیز بہت سے علماء کبار بحار و جبال نے اس موضوع پر لکھا ہے۔ بہرحال حیات النبی ﷺ کا مبارک عقیدہ پوری امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے اور اکابر دیوبند کا بھی اجماعی عقیدہ ہے جو ان کی کتاب ''المھند علی المفند'' میں ان الفاظ کے ساتھ صراحۃً موجود ہے کہ ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضور ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

احقر کو جب حرمین شریفین کی سعادت نصیب ہوئی تو مذکورہ کتاب کا کچھ ترجمہ مسجد الحرام اور کچھ مسجد نبوی علیہ التحیۃ والتسلیم میں اور ہوٹل مرکز الوفاء مدینہ طیبۃ زادھا اللہ شرفا میں کیا، مگر مکمل نہیں ہوسکا، باقی حصہ جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ ہالا میں مکمل کیا۔

مگر مشاغل اور کوتاہی کی بناء پر بہت ہی زیادہ تاخیر ہوگئی۔ پھر مختلف احباب سے نوک پلک سیٹ کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے بھی کافی وقت لگایا۔ پھر یہ ترجمہ شدہ رسالہ ایک عرصہ تک طاق نسیان میں رکھا رہا۔

اب بفضلہ تعالیٰ وقت آیا ہے تو طبع کے مراحل سے گزر کر آپ قارئین کے ہاتھوں میں پہنچا ہے۔

اس دوران جس نے بھی اس نوک پلک وغیرہ میں تعاون کیا، ان کا شکر گزار ہوں۔ خصوصاً مولانا ابراہیم صاحب سلمہ اور مولانا حاجی احمد سنائی سلمہ استاد الحدیث جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ ہالا کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطاء فرمائے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین ﷺ!

(حضرت مولانا مفتی) محمد خالد زید مجدہم

مدیر و بانی جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ ہالا

یوم الاربعاء ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۴۴۳ھ، بمطابق ۲۲ جنوری ۲۰۲۲ء

***

تقریظ

ولی کامل شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب مدظلہ

امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

آقائے دو عالم ﷺ، فخر دو جہاں ﷺ، سرور کونین ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ محبت کے سمندر میں جوش اور ولولہ پیدا کرنے والا عقیدہ وہ ''عقیدہ حیات النبی ﷺ'' ہے۔ یعنی حضور نبی کریم ﷺ اپنے روضہ اطہر میں حیات ہیں اور اس انداز سے آرام فرما رہے ہیں کہ قریب سے درود شریف پڑھا جائے تو آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور اگر دور سے درود شریف پڑھا جائے، فرشتوں کے ذریعہ نام لے کر مثلاً فلان بن فلاں بارگاہ اقدس میں پہنچایا جاتا ہے۔

اسی نیک عقیدہ کی برکت اور کشش ہے کہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کے دیوانے پروانے سارے جہاں میں تڑپ رہے ہیں کہ ہم کب مدینہ منورہ پہنچ کر گنبد خضریٰ کی نورانی جالیوں کے سامنے کھڑے ہو کر درود وسلام کا ہدیہ پیش کریں اور اپنے قلب و جگر اور جسم کے ایک ایک روئیں کو ٹھنڈا کریں۔

اس نیک مبارک عقیدہ پر علماء سلف و خلف اور پوری امت، امت کے محبین اور دیوانوں کا اجماع ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر نصیب فرمائے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد خالد صاحب ہالوی دامت برکاتہم العالیہ (خلیفہ مجاز عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کو جنہوں نے حضرت ابوالحسن نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک کتاب ''اِنباء الانباء فی حیاۃ الانبیاء'' کا بہت ہی عمدہ انداز سے اردو ترجمہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی اس نیک کاوش کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول فرمائے اور اپنی رضا اور خوشنودی کے حصول کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

محتاج دعا

محمد حسن عفی عنہ

***

مقدمه المؤلف...... ترجمة المؤلف

مؤلف هذا الكتاب هو الشيخ الإمام العالم المحدث أبو الحسن بن محمد صادق السندى كان مشهورا بالصغير ليمتاز عن الشيخ أبى الحسن محمد بن عبدالهادى السندى الكبير. أبوه المخدوم محمد صادق النقشبندى كان ختن المخدوم محمد أشرف. والشيخ محمد أشرف التتوى هو ابن المخدوم ادم السندى النقشبندى الذى بايع على يد العروة الوثقى الشيخ محمد معصوم (المتوفى ١٠٦٩ هـ) كماذكره صاحب الأنوار القدسية الشيخ يس بن إبراهيم السنهوتى بلدة الشافعى مذهبا النقشبندى طريقة حيث يقول:

مقدمۃ المؤلف......ترجمۃ المؤلف

اس کتاب کے مصنف شیخ امام عالم محدث ابوالحسن بن محمد صادق سندھی ہیں مؤلف موصوف ''الصغیر'' کی صفت سے معروف تھے تاکہ شیخ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی الکبیر سے امتیاز ہو سکے۔ مصنف کے والد مخدوم محمد صادق نقشبندی مخدوم محمد اشرف کے داماد تھے اور شیخ محمد اشرف ٹھٹھوی مخدوم آدم سندھی نقشبندی کے فرزند ہیں، جنہوں نے (ایک) قابل اعتماد (بزرگ) شیخ محمد معصوم (المتوفی ۱۰۶۹ھ) کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ''الانوار القدسیہ'' (کتاب) کے مصنف شیخ یاسین بن ابراہیم سنہوتی، شافعی، نقشبندی نے اسی طرح ذکر کیا۔

ومن ذكر العالم الكبير والمرشد الشهير مولانا الشيخ آدم السندى قدس سره (١٠٨٠ هـ) ألقت إليه المشيخة مقاليدها فى بلاده (راجع الانوار القدسية فى مناقب السادة النقشبندية ص ٩٧ مطبعة السعادة بمصر) والمخدوم أبو القاسم التتوى (١١٣٨ هـ) كان من أكبر خلفائه ويقال إن المجاهد الكبير الشاه عنايت الشهيد (١١٣٠ هـ) كان أيضا بايع على يد المخدوم آدم التتوى فى الطريقة النقشبندية.

چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ مولانا شیخ آدم سندھی قدس سرہ التوفی (۱۰۸۰ھ) بڑے عالم اور مشہور مرشد آپ کے علاقہ میں مشیخت اور بزرگی کی تمام ذمہ داریاں آپ پر آکر جمع ہوگئی تھیں اور مخدوم ابوالقاسم ٹھٹھوی (التوفی ۱۱۳۸ھ) آپ کے بڑے خلفاء میں سے تھے اور کہا جاتا ہے کہ مجاہد کبیر شاہ عنایت شہید (متوفی ۱۱۳۰ھ) نے بھی سلسلہ نقشبندیہ میں مخدوم آدم ٹھٹھوی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

بعد وفاة المخدوم آدم جلس على مسنده ابنه المخدوم محمد أشرف نسيب المخدوم محمد صادق وأمضى عمره بفضيلة تامة وبعد ارتحاله جلس على مسنده ابنه المخدوم روشن كر وكان زبدة مشيخة أبيه وجده وكان منقوشا على فص خاتمه "محمد أشرف أولاد آدم" كذا ذكره مؤرخ بلادنا السيد على شير القانع (راجع تحفة الكرام الفارسى ج ٣، ص ٢٣٦ طبع بومبانى)

مخدوم آدم کی وفات کے بعد ان کے فرزند مخدوم محمد اشرف جو مخدوم محمد صادق کے سسر بھی تھے۔ اپنے والد بزرگوار کی مسند پر بیٹھے اور باکمال زندگی گزاری۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے ''مخدوم روشن کر'' ان کے جانشین بنے اور وہ اپنے والد اور دادا کی بزرگی کے نچوڑ تھے اور ان کی انگوٹھی کے نگینے پر ''محمد اشرف اولاد آدم''

کندہ تھا۔ ہمارے ملک کے مؤرخ سید علی شیر قانع نے اسی طرح تحریر کیا ہے۔

اسمه و كنيته و نشأته: اسم المؤلف غلام حسين و كنيته أبو الحسن و لد و نشأ بتته عاصمة السند في بيت العلم و التصوف. قرأ على أبيه المخدوم محمد صادق و هو أيضا و لد و نشأ في تته عاصمة السند و كان من علماء المبرزين في المعقول و المنقول قرأ على إمام وقته العلامة المحدث المتكلم البحاثة المخدوم محمد معين ابن المخدوم محمد أمين السندى صاحب الدراسات. أخذ عنه النحو و العربية و الفقه و الأصول و غيرها ثم سافر للحج فدخل مدينة سورت، و أخذ العلوم الحكمية عن الشيخ عبد الولى بن سعد الله السلولى نزيل تلك البلدة ثم رجع إلى أرض السند و أسس مدرسة عالية و كان من خلص معتقدى العارف الكبير السيد عبد اللطيف البتائى التارك السندى. تصدى للدرس و الإفادة فأخذ عنه خلق كثير و منهم المؤلف ابنه المخدوم أبو الحسن (الصغير) و الشيخ التقى مرجع الأنام في بلاد السند الشيخ محمد زمان من لوارى السند. و هو كان زميلا للمؤلف المخدوم أبي الحسن. انتهت إليه سيادة السلسلة النقشبندية في بلادنا و كان من أكبر خلفائه المخدوم عبد الرحيم الشهيد الكرهورى صاحب التصانيف العديدة.

نام، کنیت اور نشوونما

مصنف کا نام غلام حسین اور کنیت ابوالحسن ہے، سندھ کے دارالحکومت ٹھٹھہ شہر میں علمی و عملی گھرانے میں پیدا ہوئے اور اپنے والد مخدوم محمد صادق سے علم حاصل کیا اور ان کی ولادت اور نشوونما بھی دارالحکومت ٹھٹھہ ہی میں ہوئی اور وہ معقولات و منقولات میں ممتاز علماء میں سے تھے۔ آپ نے امام وقت، محدث، متکلم، محقق، مخدوم محمد معین سے علم حاصل کیا جو مخدوم محمد امین کے فرزند اور ''دراسات'' کے مصنف ہیں۔ ان سے نحو، عربی، فقہ، اصول، اور دیگر علوم پڑھے۔ پھر حج کے لئے چلے گئے، اور ''سورت'' شہر میں داخل ہوئے اور اس شہر کے مقیم شیخ عبدالولی بن سعد اللہ سلولی سے علوم حکمت حاصل کئے، پھر سرزمین سندھ واپس لوٹے اور ایک عالی شان مدرسے کی بنیاد رکھی اور آپ سرزمین سندھ کے زاہد عارف کبیر سید شاہ عبداللطیف بھٹائی کے خاص معتقدین میں سے تھے۔ درس و تدریس اور افادہ کی خدمت انجام دینے بیٹھے تو لوگوں کی بڑی تعداد نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ جن میں ان کے بیٹے مؤلف کتاب مخدوم ابوالحسن صغیر اور ملک سندھ میں لوگوں کا مرجع، پرہیزگار بزرگ شیخ محمد زمان جولواری شریف سندھ کے تھے بھی شامل ہیں اور وہ مؤلف مخدوم ابوالحسن رحمہ اللہ کے ہم درس تھے، نقشبندی سلسلہ کی سیادت ہمارے علاقہ میں ان پر ختم ہوگئی۔ متعدد تصنیفات کے مؤلف مخدوم عبدالرحیم شہید گرہوڑی رحمہ اللہ ان کے بڑے خلفاء میں سے تھے۔

مشيخته

بعد ما حصل العلوم المروجة في بلاد السند هاجر إلى المدينة المنورة أخذ الحديث عن الشيخ المحدث محمد حيات السندى و لازمه ملازمة طويلة، و كان زميله في ذلك المعهد المحدث السيد محمد فاخر الإله آبادى كما ذكره في هذا التأليف و يلقبه بأخى في الله و حبى لله. و بعد وفاة شيخه محمد

حیات السندی جلس علی مسنده وتصدر للتدریس فی تلك البقعة المبارکة ولم یکن مثله فی زمانه فی کثرة الدرس والإفادة. یخبر عصریه مؤرخ بلاد السند السید قانع: وبعد الآن أعلم العلماء وأقدم الفضلاء ومحدثا عظیما صاحب الحال والقال (راجع تحفة الکرام الفارسی ج ۳، ص ۲۳۶ طبع بومبائی)

مصنف کے شیوخ

سرزمین سندھ میں مروج علوم کے حصول کے بعد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور شیخ محمد حیات سندھی سے حدیث کا علم حاصل کیا اور عرصہ دراز تک ان کی صحبت اختیار کی، اس زمانے میں محدث سید محمد فاخر الہ آبادی ان کے ہم درس تھے، جیسا کہ آپ نے اپنی اس کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے اور (اس تذکرہ میں) ''اخی فی اللہ'' اور ''حبی للہ'' کے لقب سے ان کو یاد کیا ہے اور اپنے شیخ محمد حیات سندھی کی وفات کے بعد ان کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور اس مبارک خطہ میں تدریس کی خدمت انجام دی اور اس زمانہ میں کثرت درس اور افادہ میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ان کے ہم عصر سرزمین سندھ کے مؤرخ سید قانع ان کے بارے میں خبر (ان لفظوں میں) دیتے ہیں: ''اور وہ ابھی سب سے بڑے عالم، بڑے فاضل، بڑے محدث، قابل تقلید در گفتار و کردار بزرگ شمار ہوتے ہیں۔''

تلامذته: أخذ عنه جم کثیر من الأعلام منهم السید أبو سعید بن محمد ضیاء الشریف الحسنی البریلوی أحد العلماء الربانیین، لازم حکیم الهند الشاه ولی الله الدهلوی وبعد وفاته لازم صاحبه الشیخ محمد عاشق بن عبید الله البهلتی وأخذ عنه وکتب له الإجازة ثم سافر إلی الحجاز سنة سبع وثمانین ومأة وألف فسعد بالحج وسافر إلی المدینة المنورة وأقام بها ستة أشهر وسمع ''المصابیح'' علی الشیخ أبی الحسن الصغیر (راجع نزهة الخواطر ج ۶، ص ۱۰)

مصنف کے تلامذہ

آپ سے مشہور علماء کی بڑی تعداد نے علم حاصل کیا۔ ان میں سید ابو سعید حسینی بریلوی (ہیں جو) علماء ربانیین میں سے (ایک) ہیں۔ انہوں نے حکیم الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی صحبت اختیار کی اور ان کی وفات کے بعد ان کے رفیق شیخ محمد عاشق بن عبید اللہ پھلتی کی صحبت اختیار کی اور ان سے علم حاصل کیا اور انہوں نے آپ کو اجازت سے نوازا۔ پھر انہوں نے سن ۱۱۸۷ھ میں حجاز کا سفر کر کے حج کی سعادت حاصل کی اور مدینہ منورہ کا سفر کیا اور وہاں چھ مہینے گزارے اور شیخ ابوالحسن الصغیر (مؤلف) سے مصابیح کا سماع کیا۔

ومنهم الشیخ المحدث أمین بن حمید العلوی الکاکوروی ولد بکاکوری سنة أربع وستین ومائة وألف ونشأ بها. قرأ المنطق والعلوم الحکمیة علی بحر العلوم عبد العلی اللکهنوی وعلی الشیخ حیدر علی بن حمد الله ثم سافر إلی سورت وأدرك بها الشیخ أبا سعید المذکور فسافر معه إلی الحرمین وأقام بالمدینة ستة أشهر وأدرك بها الشیخ أبا الحسن بن محمد صادق السندی فقرأ علیه مقدمة ابن الصلاح وصحیح البخاری والمصابیح وأجازه الشیخ المذکور إجازة عامة وأعطاه ثبته ولما مات الشیخ أبو الحسن السندی لخمس بقین من رمضان قرأ علی الشیخ محمد سعید صفر شطرا من سنن أبی داؤد وسنن ابن ماجه (ان شئت التفصیل فراجع نزهة الخواطر ج ۷، ۸۳ طبع الدکن الهند)

ان (آپ کے تلامذہ) علماء سے (ایک) شیخ محدث امین بن حمید علوی کاکوروی (بھی) ہیں، جو کاکورہ میں سن ۱۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں جوان ہوئے اور بحر العلوم عبدالعلی لکھنوی اور شیخ حیدر علی بن حمداللہ سے منطق اور علم حکمت وفلسفہ حاصل کیا۔ پھر سورت تشریف لے گئے۔ وہاں پر شیخ ابوسعید (جن کا تذکرہ ابھی گزرا) کو پایا اور ان کے ساتھ حرمین تشریف لے گئے اور چھ مہینے مدینہ میں مقیم رہے اور شیخ ابوالحسن بن محمد صادق سندھی (مؤلف) سے ملاقات ہوئی اور مقدمہ ابن الصلاح، صحیح البخاری اور مصابیح ان سے پڑھی اور شیخ موصوف نے آپ کو اجازت عامہ اور اپنا ثبت عنایت فرمایا۔ پھر جب ابوالحسن سندھی پچیس رمضان المبارک کو انتقال فرما گئے تو سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ کا کچھ حصہ شیخ محمد سعید صفر سے پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔

ومنهم الشيخ المحدث محمد حسين السندی وهو عم وشيخ للمخدوم محمد عابد السندی المدنی صاحب المواهب اللطيفة شرح مسند الإمام أبي حنيفة وصاحب حصر الشارد وطوالع الأنوار شرح الدر المختار وغيرها من الكتب حيث يقول المخدوم محمد عابد السندی فی تأليفه الشهير حصر الشارد علی صفحة ۴۳ الخطية تحت الإكليل: وأما الإكليل فی استنباط التنزيل للحافظ جلال الدين السيوطی: فأخبرنی به عمی الشيخ محمد حسين عن الشيخ أبی الحسن بن محمد صادق السندی عن الشيخ محمد حيات السندی عن الشيخ أبی الحسن السندی الكبير عن الشيخ عبد الله بن سالم البصری والشيخ محمد حيات يروی عن الشيخ عبد الله بن سالم البصری۔

ان (آپ کے تلامذہ) علماء سے (ایک) شیخ محدث محمد حسین سندھی بھی ہیں اور یہ مسند امام ابوحنیفہ کی شرح المواهب اللطیفہ، حصر الشارد اور الدر المختار کی شرح طوالع الانوار اور ان کے علاوہ دیگر کتابوں کے مصنف مخدوم محمد عابد سندھی کے چچا اور شیخ ہیں۔ جیسا کہ مخدوم محمد عابد سندھی نے اپنی مشہور تالیف حصر الشارد خطی (ہاتھ سے لکھی ہوئی) کے صفحہ نمبر ۴۳ میں ''اکلیل'' کے تحت فرماتے ہیں اور بہرحال حافظ جلال الدین سیوطی کی ''الاکلیل فی استنباط التنزیل'' میں نے اپنے چچا شیخ محمد حسین سے پڑھی انہوں نے شیخ ابوالحسن بن محمد صادق سندھی سے اور انہوں نے شیخ محمد حیات سندھی سے اور انہوں نے شیخ ابوالحسن الکبیر سندھی سے اور انہوں نے شیخ عبداللہ بن سالم البصری رحمہ اللہ سے اور شیخ محمد حیات شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے بھی روایت کرتے ہیں۔

ويقول علی صفحة ۵۵ من حصر الشارد تحت الباعث علی إنكار الحوادث لأبی شامة: فأرويه بالأسانيد المتقدمة فی الإكليل إلی الشيخ عبد الله بن سالم البصری۔

اور اپنی ثبت حصر الشارد کے ص ۵۵ میں ''الباعث علی انکار الحوادث للامام ابی شامہ'' کے تحت فرماتے ہیں کہ میں اس کتاب کو شیخ عبداللہ بن سالم البصری رحمہ اللہ تک ان اسانید کے ساتھ روایت کرتا ہوں جو ''اکلیل'' (کتاب کے تذکرہ) میں (مذکور) ہیں۔

وعلی صفحة ۶۳ من ثبته حصر الشارد: أما تاريخ مصر لأبی سعيد بن يونس فأرويه عن عمی الشيخ محمد حسين الأنصاری عن الشيخ أبی الحسن بن محمد صادق السندی عن الشيخ محمد حيات السندی عن الشيخ أحمد بن محمد النخلی عن محمد بن علاء الدين البابلی عن أحمد بن خليل السبكی عن النجم محمد الغيطی عن عبد الحق السنباطی عن الحافظ ابن حجر عن مريم بنت الأذرعی عن يونس بن

أبی إسحاق عن أبی الحسن بن المقير عن أبی الفضل بن ناصر عن أبی القاسم بن منده أنا أبو السعود عبد الرحمن بن أحمد بن يونس بن عبد الأعلى. وهكذا ذكره في حصر الشارد تحت تاريخ بخاری للغنجار وتاريخ الإسلام لأبی عبيد الهروی وكتاب التاريخ للعجلى.

اور اپنی ''ثبت'' (وہ کتاب جس میں کوئی مصنف اپنے شیوخ کے اسماء اور اپنی مرویات جمع کرتا ہے) یعنی حصر الشارد کے ص ۶۳ میں فرماتے ہیں: ابوسعید بن یونس کی ''تاریخ مصر'' کو اپنے چچا شیخ محمد حسین انصاری سے روایت کرتا ہوں اور وہ اسے شیخ ابوالحسن بن محمد صادق سندھی سے اور وہ اسے شیخ محمد حیات سندھی سے اور وہ اسے شیخ احمد بن محمد نخلی سے اور وہ اسے محمد بن علاء الدین بابلی سے اور وہ احمد بن خلیل سبکی سے اور وہ شیخ نجم محمد غیطی سے اور وہ عبدالحق سنباطی سے اور وہ حافظ ابن حجر سے اور وہ مریم بنت اذرعی سے اور وہ یونس بن ابی اسحاق سے اور وہ اسے ابوالحسن بن المقیر سے اور وہ ابوالفضل بن ناصر سے اور وہ ابوالقاسم بن مندہ سے اور وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ کتاب ابوالسعود عبدالرحمٰن بن احمد بن یونس بن عبدالاعلیٰ نے بیان کی اور اس (مذکورہ بالا اسناد کی تفصیل) کو (شیخ عابد السندی نے اپنی کتاب) حصر الشارد میں غنجار کی کتاب ''تاریخ بخارا'' اور ابوعبید ہروی کی کتاب ''تاریخ الاسلام'' اور عجلی کی کتاب ''کتاب التاریخ'' کے تحت بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔

وكتب على ص ۱۹۸ من ثبته تحت صحيح الإسماعيلى: فأرويه عن عمی الشيخ محمد حسين بن محمد مراد الأنصاری عن الشيخ أبی الحسن بن محمد صادق السندی عن الشيخ محمد حيات السندی عن الشيخ عبدالله بن سالم البصری إلخ وعلى صفحة ۲۰۱ تحت كتاب الصلوة لأبی نعيم الفضل بن دكين: فأرويه عن عمی الشيخ محمد حسين بن محمد مراد الأنصاری عن الشيخ أبی الحسن ابن محمد صادق السندی عن الشيخ محمد حيات السندی عن الشيخ عبدالله بن سالم البصری إلخ

اور شیخ عابد السندی اپنی ''ثبت'' (حصر الشارد) کے ص ۱۹۸ میں صحیح اسماعیلی کے تحت لکھتے ہیں: میں اس (صحیح اسماعیلی) کو اپنے چچا محترم شیخ محمد حسین بن محمد مراد انصاری سے روایت کرتا ہوں اور وہ شیخ ابوالحسن بن محمد صادق سندھی سے اور وہ شیخ محمد حیات سندھی سے اور وہ شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے روایت کرتے ہیں اور ص ۲۰۱ پر ابونعیم فضل بن دکین کی کتاب الصلوٰۃ کے تحت لکھتے ہیں: میں اس (کتاب الصلوٰۃ) کو اپنے چچا شیخ محمد حسین بن محمد مراد انصاری سے روایت کرتا ہوں وہ (اس کو) شیخ ابوالحسن بن محمد صادق سندھی سے وہ شیخ محمد حیات سندھی سے وہ شیخ عبداللہ بن سالم بصری الخ سے روایت کرتے ہیں۔

مؤلفاته: له مصنفات عديدة، منها شرح جامع الأصول ومنها مختار الأطوار في أطوار المختار ومنها بهجة النظر شرح على نخبة الفكر قد طبع هذا الشرح على الحجر في مطبع كلزار محمدی بلاهور وهو شرح وجيز لا نظير له في جذلة عبارته. ومنها رجال مسند الإمام أحمد بن حنبل رأيت نسخة خطية فريدة وحيدة لهذا الكتاب عند السيد مظفر حسين بكرَاتشی السند وقد باعها لصديقی شفيع أحمد العلوی الشكاربوری رحمہ اللہ ولكنها طارت بها حوادث الدهر بعد ماتوفی السيد العلوی.

تصانیف

آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں: (۱) شرح جامع الاصول۔ (۲) مختار الاطوار فی اطوار المختار۔ (۳) بہجۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر، اس شرح کو گلزار محمدی پریس لاہور نے چھاپا ہے اور یہ ایک مختصر شرح ہے، عبارت کی شستگی میں اس کی نظیر نہیں۔ (۴) رجال مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں نے اس کتاب کا ہاتھ سے لکھا ہوا ایک بالکل نایاب نسخہ کراچی سندھ میں سید مظفر حسین کے پاس دیکھا تھا جو انہوں نے میرے ایک دوست شفیع احمد علوی شکارپوری رحمہ اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ لیکن یہ نسخہ سید علوی کی وفات کے بعد حوادث زمان کی نذر ہو گیا۔

و منها التعليقات على الدر المختار للعلامة الحصكفي في الفقه الحنفي. وكانت مملوءة بالتحقيقات الأنيقة. وكانت نسخة خطية منها عند صديقي العلامة دين محمد الوفائي ولكنها طارت بها أيضا حوادث الزمن ولا يوجد لها أثر، فيا أسفي على ضيعة العلم وآثار هذا المحدث الكبير وفقيه عصره.

(۵) التعلیقات علی الدر المختار جو فقہ حنفی میں علامہ حصکفی رحمہ اللہ کی کتاب الدر المختار پر حواشی ہیں۔ یہ حواشی نہایت عمدہ تحقیقات سے لبالب تھے اور ان کا ایک مخطوط نسخہ میرے دوست علامہ دین محمد وفائی رحمہ اللہ کے پاس تھا، لیکن یہ بھی گردش ایام کی نذر ہو گیا اور اب اس کا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔ علم اور اس بڑے محدث اور اپنے زمانے کے فقیہ کے کارناموں کے ضائع ہونے پر سخت افسوس ہے۔

ومنها هذه الرسالة المسماة بإنباء الأنباء في حياة الأنبياء وهي رسالة فريدة في موضوعها لم توجد مثلها في مؤلفات الأعلام وهذه النسخة الخطية كانت مملوكة لمولانا السيد وهب الله صاحب العلم (بير جهندو) في دار كتبه كاتبه الشيخ جامع بن الشيخ خير بن جامع البكري نسبا والشافعي مذهبا وسن كتابتها: أول وقت العصر لإحدى وعشرين في شهر رجب يوم السبت سنة ١١٧٦ من الهجرة النبوية. قلت وفي تلك السنة كان المؤلف الإمام أبو الحسن السندي (الصغير) حيا ومدرسا في المسجد النبوي. فهذه النسخة لها مزية تامة وشرف باهر. قد ذكر الكاتب الألقاب العظيمة للمؤلف المبرور حيث يقول: للشيخ الإمام العالم العلامة المحقق المدقق سيبويه زمانه فذاك الشيخ أبو الحسن غفر الله لنا وله. وجدت هذه الرسالة غنيمة باردة وحصلتها من صاحب العلم مولانا السيد وهب الله السندي واعتمدت عليها في النشر لأنها نسخة قديمة وما كانت عندي نسخة أخرى ولم يصل إلى علمنا خبر عن وجود نسخة أخرى، فعلقت عليها الحواشي وخرجت الأحاديث وأوضحت المراجع التي كان عليها أكثر اعتماد المؤلف، وكتبت هذه التقدمة عليها حتى يتضح على القاري علو شأن المؤلف الإمام ودرجته.

(۶) انباء الانباء فی حیاۃ الانبیاء نامی یہ رسالہ بھی ان کی تصانیف میں سے ہے (جو ابھی ہمارے ہاتھوں میں ہے) اور یہ رسالہ اپنے موضوع میں ایسا یکتا (اور منفرد) ہے کہ اس کی مثال بڑے بڑے علماء کی تصانیف میں بھی نہیں ملتی۔ قلمی نسخہ حضرت مولانا سید وہب اللہ (پیر جھنڈو) کی ملکیت کے طور پر ان کے مکتبہ میں تھا، اس کے لکھنے والے شیخ جامع بن شیخ خیر بن جامع ہیں جو نسباً بکری اور مسلکاً شافعی ہیں۔ اس رسالہ کا سن کتابت عصر کا ابتدائی وقت ہفتہ کا دن ۲۱ رجب ۱۱۷۶ھ ہے۔

میں (علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ مؤلف امام ابوالحسن السندی (الصغیر بھی) اسی سال میں بقید حیات تھے اور مسجد نبوی میں مدرس تھے۔ لہٰذا اس نسخہ کو کامل امتیاز اور واضح شرف حاصل ہے۔ کاتب نے بزرگ مؤلف کے لئے بڑے بڑے القابات ذکر کئے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں یہ رسالہ شیخ، امام، عالم، علامہ محقق، مدقق، اپنے وقت کے سیبویہ کی تصنیف ہے وہ (بلند رتبہ مصنف) شیخ ابوالحسن ہیں اللہ تعالیٰ ہماری اور ان کی مغفرت فرمائے۔ مجھے یہ رسالہ بلا مشقت غنیمت کے طور پر ملا اور مولانا سید وہب اللہ شاہ سندھی رحمہ اللہ سے حاصل کیا۔ میں نے اشاعت میں اسی نسخہ پر اعتماد کیا ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک قدیم نسخہ ہے اور میرے پاس دوسرا نسخہ بھی نہیں تھا اور نہ کسی دوسرے نسخہ کے وجود کا ہمیں علم ہے۔ بہرحال میں نے اس پر حاشیہ لکھا اور احادیث کی تخریج کی اور وہ مراجع بھی واضح کئے جن پر مصنف نے بیشتر اعتماد کیا ہے اور میں نے اس پر یہ مقدمہ تحریر کیا تا کہ اس سے مطالعہ کرنے والے پر مصنف کا بلند رتبہ اور اونچا مقام واشگاف ہو جائے۔

أول كتاب كتب على هذا الموضوع هو ما ألفه الإمام البيهقي من جزء في حياة الأنبياء في قبورهم، وقداستفاد منه المخدوم المؤلف ومن قبلُ الشيخ جلال الدين السيوطي. وكتب على هذا الموضوع العلامةتقي الدين السبكي في ضمن كتاب شفاء السقام في زيارة خير الأنام وهو مطبوع وعليها مقدمة نفيسة للعلامة الشيخ محمد بخيت الأزهري ومنها إنباء الأذكياء بحياة الأنبياء تاليف العلامة المجتهد الشيخ جلال الدين بن كمال الدين السيوطي. مفتتحه هكذا: الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى. وقع السؤال: قد اشتهر أن النبي ﷺ حي في قبره الشريف وورد أنه ﷺ قال: مامن أحد يسلم عليَ إلا رد الله علىَ روحي حتى أردَ عليه السلام. فظاهره مفارقة الروح عن الجسد في بعض الأوقات. فكيف الجمع؟ وهو سوال حسن يحتاج إلى النظر والتأمل

اس موضوع پر جو کتاب سب سے پہلی لکھی گئی وہ امام بیہقی رحمہ اللہ کی وہ کتاب ہے جو انہوں نے جزء فی حیاۃ الانبیاء فی قبورھم کے نام سے تالیف فرمائی ہے اور مؤلف مخدوم صاحب رحمہ اللہ نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے اور ان (مؤلف) سے پہلے جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (بھی اس سے استفادہ کر چکے ہیں) اور علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے بھی اس موضوع پر اپنی کتاب شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام کے ضمن میں لکھا ہے اور وہ چھپ چکی ہے اور اس پر علامہ شیخ محمد بخیت اُزہری کا ایک عمدہ مقدمہ بھی ہے اور اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں سے ایک ''انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء'' بھی ہے جو علامہ مجتہد جلال الدین بن کمال الدین سیوطی کی تالیف ہے جس کے افتتاحی کلمات یوں ہیں: تمام تعریفات اللہ کے لئے ہیں اور اللہ کے برگزیدہ بندوں پر سلامتی ہو۔ ایک سوال پیدا ہوا کہ یہ بات تو مشہور ہے کہ نبی ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور یہ بھی حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی بھی مجھے سلام کرے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیں گے تا کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں (اس) حدیث کا ظاہری مفہوم تو یہی ہے کہ آپ کی روح (ہر وقت آپ کے جسم میں نہیں ہوتی بلکہ) بعض اوقات آپ کے جسم سے الگ ہوتی ہے، تو اب یہ دونوں باتیں (باہم متضاد ہونے کے باوجود) کیسے جمع ہو سکتی ہیں؟ اور یہ ایک اچھا سوال ہے جو غور و فکر کا محتاج ہے۔

فأقول: حياة النبيﷺ في قبره هو وسائر الأنبياء معلومة عندنا علما قطعيا لما قام عندنا من الأدلة في ذلك وتواترت به الأخبار وقد ألف البيهقي جزءا في حياة الأنبياء في قبورهم، فمن الأخبار الدالة على ذلك ما أخرجه مسلم عن أنس رضي الله عنه أن النبيﷺ ليلة أسري به مر بموسى عليه السلام وهو يصلي في قبره وأخرج أبو نعيم في الحلية عن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبيﷺ مر بقبر موسى عليه السلام وهو قائم يصلي فيه. وأخرج أبو يعلى في مسنده والبيهقي في كتاب حياة الأنبياء عن أنس رضي الله عنه أن النبيﷺ قال الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون. وأخرج أبو نعيم في الحلية عن يوسف بن عطية قال سمعت ثابت البناني يقول لحميد الطويل هل بلغك أن أحدا يصلي في قبره إلا الأنبياء قال لا. وأخرج أبو داؤد والبيهقي عن أوس بن أوس الثقفي عن النبيﷺ أنه قال من أفضل أيامكم يوم الجمعة فأكثروا علي الصلاة فإن صلاتكم تعرض علي قالوا يا رسول الله وكيف تعرض عليك صلاتنا وقد أرمت يعني بليت فقال إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء الخ. وأجاب العلامة السيوطي خمسة عشر أجوبة عن الإشكال المذكور ورسالته مشتملة على ثمانية أوراق خطية (وقلت ان هذه الرسالة قد طبعت في مجموعته ولكني طالعت الخطية في دار كتب السيد محب الله صاحب العلم بير جهندو السند)

تو میں (جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ) جواباً عرض کرتا ہوں کہ قبر میں نبیﷺ اور دیگر تمام انبیاء کی حیات بالکل یقینی طور پر ہمیں معلوم ہے۔ کیونکہ اس بارے میں ہمارے پاس دلائل موجود ہیں اور اس (مسئلہ) کی احادیث متواتر ہیں۔ (ضمناً بتاتا چلوں کہ) امام بیہقی نے (بھی اس مسئلہ میں) ''حیاۃ الانبیاء فی قبورھم'' نامی ایک رسالہ تالیف فرمایا ہے جو احادیث اس (مسئلہ) پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جسے امام مسلم نے حضرت انس بن مالک سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہﷺ کو جس رات معراج کے لئے لے جایا گیا تو رسول اللہﷺ موسیٰ علیہ السلام کے پاس اس حال میں گزرے کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ ابونعیم (اصفہانی) نے (اپنی کتاب) حلیۃ (الاولیاء) میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ نبیﷺ موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے اس حال میں گزرے کہ وہ قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور ابو یعلی نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے (اپنی) کتاب حیاۃ الانبیاء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں اس حال میں زندہ ہیں کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور ابونعیم (اصفہانی) نے (اپنی کتاب) حلیۃ (الاولیاء) میں یوسف بن عطیہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانی سے حمید الطویل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کیا آپ کو یہ بات (روایت ہو کر) پہنچی ہے کہ انبیاء کے علاوہ کوئی اور (بھی) قبر میں نماز پڑھتا ہے؟ تو حمید الطویل نے فرمایا کہ (مجھے ایسی کوئی روایت) نہیں (پہنچی)

امام ابو داؤد رحمہ اللہ اور بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا تمہارے افضل ترین دنوں میں سے (ایک) جمعہ کا دن (بھی) ہے۔ اس لئے تم اس کے اندر مجھ پر درود زیادہ پڑھو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جائے گا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہﷺ! ہمارا درود آپ پر

کیسے پیش کیا جائے گا؟ حالانکہ آپ کا جسم تو بوسیدہ ہو چکا ہوگا تو آپ نے فرمایا (میرا جسم بشمول دیگر انبیاء علیہم السلام بوسیدہ نہیں ہوسکتا اس لئے) اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھانا حرام کردیا ہے۔ الخ! اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے (اس) اشکال مذکور کے پندرہ جوابات دیئے ہیں اوران کا رسالہ آٹھ (۸) خطی اوراق پر مشتمل ہے۔

و منها تنبيه الأغبياء بحياة الأنبياء(في الفارسية للعلامة المحقق الجليل صبغة الله بن محمد غوث. مفتتحه: الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على شفيع المذنبين و آله الطاهرين و أصحابه المكرمين. أما بعد اين رساله است در بيان حيات انبياء علیہم السلام حسب خواهش بعضے بزرگان دين و مرشدان راه يقين خواستم كه رساله إنباء الأغبياء بحياة الأنبياء (آن رساله موسوم بإنباء الأذكياء بحياة الأنبياء است كما مر، ابو عبيدة السندى) تاليف خاتمه حفاظ محققين جلال الملة و الدين الشيخ أبو بكر عبدالرحمن السيوطي رحمہ اللہ را ترجمه كنم، چوں ديدم كه رساله مذكور فقط احاديث حيات انبياء ذكر كرده بر دفع اشكال كه بر حديث: إلا رد الله على روحى وارد مى شود اكتفا كرده لهذا اين عاصى از كتاب شفاء السقام في زيارة خير الأنام كه تاليف شيخ الامام المجتهد تقى الدين أبى الحسن على بن عبدالكافي السبكي رحمہ اللہ كه اين بيان را به بسط تمام ذكر كرده بآں منضم كردم و ديگر فوائد ضرورى از فتح البارى و شرح الصدور و ديگر كتب معتبره در سلك جمع كشيدم. و اين رساله را به تنبيه الأغبياء بحيات الأنبياء موسوم ساختم و بر پنج باب ترتيب دادم و الله المستعان و عليه التكلان.

اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں سے ایک (فارسی زبان میں) تنبیہ الاغبیاء بحیاۃ الانبیاء بھی ہے جو علامہ محقق جلیل صبغۃ اللہ بن محمد غوث کی تصنیف ہے۔ اس کا آغاز ان کلمات سے ہے: الحمد للہ رب العالمین الخ، تمام تعریفیں اس رب کے لئے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے اور گنہگاروں کی شفاعت کرنے والی ہستی اور اس (ہستی) کی پاکیزہ آل اور معزز صحابہ رضی اللہ عنہم پر درود وسلام ہو۔

اما بعد! یہ رسالہ انبیاء کی حیات کی وضاحت کے بارے میں بعض بزرگانِ دین اور راہِ یقین کی طرف رہنمائی کرنے والوں کی خواہش پر (لکھا گیا) ہے۔ میرا ارادہ (صرف یہ) تھا کہ میں، خاتم حفاظ محققین، جلال الملۃ والدین، شیخ ابو بکر عبدالرحمٰن السیوطی رحمہ اللہ کے تالیف کردہ رسالہ انباء الاغبیاء بحیاۃ الانبیاء (اس کا نام انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء ہے جیسے پیچھے گزر چکا ہے) کا ترجمہ کروں، لیکن جب میں نے دیکھا کہ رسالہ مذکور میں صرف انبیاء علیہم السلام کی حیات (پر دلالت) کی احادیث ذکر کرکے (ان احادیث میں سے صرف ایک) حدیث (کے الفاظ) إلا رد اللہ علی روحی پر ہونے والے اشکال کو رفع کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے تو اس لئے اس گنہگار نے امام، مجتہد، تقی الدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی السبکی رحمہ اللہ کی تالیف شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام سے (تفصیل) نقل کرکے (شیخ سیوطی رحمہ اللہ کے رسالہ مذکور کے ترجمہ کے ساتھ) ملا دیا (اور لاحق کردیا) اس لئے کہ (علامہ سبکی رحمہ اللہ نے اپنی اس تالیف) میں اس مسئلہ کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ساتھ دیگر فوائد ضروریہ، فتح الباری اور شرح الصدور اور دیگر کتب معتبرہ سے لے کر سب کو میں نے اس میں سمو دیا ہے اور اس رسالہ کو ''تنبیہ الاغبیاء فی حیاۃ الانبیاء'' کا نام دیا اور میں نے اس کو پانچ ابواب میں مرتب کیا ہے۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان!

دراختتام مؤلف گوید: از سوید این رساله بتاریخ بیست وپنجم محرم الحرام سنه ایک ہزار و دوصد وشصت ودو ہجری فراغت یافتم

و أنا العبد المذنب صبغة الله بن محمد غوث بن ناصر الدين محمد كان الله لهم و لأسلافهم آمين.

هذه الرسالة مطبوعة على مائة أوراق ظفرت بها في مكتبة المولى السيد محب الله صاحب العلم. (بير جهندو السند)

رسالہ کے آخر میں مؤلف فرماتے ہیں اس رسالہ کے مسودہ سے مجھے ۲۵ محرم الحرام سن ۱۲۶۲ھ کو فراغت ملی، میں بندہ گنہگار صبغۃ اللہ بن محمد غوث بن ناصر الدین محمد، اللہ (سب سے راضی ہوکر) ان کا اوران کے اسلاف کا ہوجائے۔ (آمین) یہ رسالہ سو (۱۰۰) صفحات میں مطبوع ہے، جو مجھے صاحب علم مولانا سید محب اللہ ﷫ (پیر جھنڈ و سندھ) کے مکتبہ سے ملا۔

و منها آب حيات في الأردية لشيخ مشائخنا حجة الإسلام مولانا محمد قاسم النانوتوي، و هذا الكتاب وإن كان في الأردية لكنه بحر لا ساحل له ولا يقدر على فهمه إلا من رزق ملكة قوية و فهما مستقيما لحل المسائل العويصة من العلوم النقلية عامة و من العلوم العقلية خاصة. وتجد حين المطالعة أن كل صفحة منه تشتمل على مسائل اقليدس و الهيئة و الحساب و المنطق و الفلسفة و المعاني و البيان و غيرها من العلوم الصعبة.

اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں سے ایک ''آب حیات'' اردو زبان میں ہے، جس کے مؤلف ہمارے شیخ المشائخ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی ﷫ ہیں، یہ کتاب اگرچہ اردو زبان میں ہے، لیکن یہ ایک سمندر نا پیدا کنار ہے۔ اس کتاب کو صرف وہی سمجھ سکتا ہے جس کو علوم نقلیہ کے مشکل مسائل کے حل کے لئے عموماً اور فنون عقلیہ کے مشکل مسائل کے حل کے لئے خصوصاً زبردست قوت اور فہم مستقیم عطاء کی گئی ہو۔ اس کے مطالعہ کے وقت آپ کو نظر آئے گا کہ اس کا ہر صفحہ اقلیدس، علم ہیئت، ہندسہ، حساب، منطق اور فلسفہ، معانی، بیان اور دیگر مشکل علوم کے مسائل پر مشتمل ہے۔

سندي في هذه العلوم العقلية يصل إلى إمام المعقول العلامة فضل حق الخير آبادي بواسطتين فإن شيخي العلامة عبد الكريم الكوراني السندي قرأ على العلامة المعمر الشيخ محمد اسماعيل الأبراني السندي وهو تلميذ لمولانا فضل الحق ابن العلامة فضل إمام الخير آبادي. و أنا أقول تحديثا بنعمة ربي قد درست مرات عديدة بدورة الحديث دورة المنطق و الفلسفة و شرحي السلم للقاضي و حمد الله و الزواهد الثلاثة و التعليقات عليها للعلامة بحر العلوم و أنا لا أجد دقة في مطالعة تلك الكتب كما أجدها في مطالعة "آب حيات" وقد طالعته بالاستيفاء غير مرة و درسته على الفضلاء المدرسين مرتين وقد كان شيخي العلامة عبيد الله السندي و شيخي العلامة الكوراني السندي حافظين لهذا الكتاب و مقاصده و لهما الفضل و المزية رحمهما الله تعالى و هكذا كان شيخي المحدث شبير احمد العثماني و شيخي العلامة محمد ابراهيم البلياوي كانا ماهرين في مؤلفات قاسم العلوم رحمه الله و علومه.

ان علوم عقلیہ میں میری سند جامع المعقول علامہ فضل حق خیرآبادی تک دو واسطوں سے پہنچتی ہے۔ کیونکہ میرے شیخ علامہ عبدالکریم کورائی سندھی نے معمر عالم شیخ محمد اسماعیل ابرائی سندھی سے پڑھا اور وہ مولانا فضل حق خیر آبادی بن علامہ فضل امام خیرآبادی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں اور میں تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کہہ رہا ہوں کہ میں نے دورہ حدیث، دورہ منطق اور فلسفہ اور سلم العلوم کی شرح قاضی مبارک اور حمد اللہ اور زواہد ثلاثہ اور اس پر علامہ بحرالعلوم کی تعلیقات کئی مرتبہ پڑھائی ہیں اور ان کتابوں کے مطالعہ میں مجھے کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ جیسے کہ میں آب حیات کے مطالعہ میں محسوس کرتا ہوں۔ حالانکہ کئی بار اس کا مطالعہ بالاستیعاب کر چکا ہوں اور دو مرتبہ فضلاء مدرسین کو اس کا درس بھی دیا ہے۔ میرے شیخ علامہ عبدالکریم کورائی سندھی رحمہ اللہ اور شیخ عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ اس کتاب اور اس کے معانی کے حافظ تھے اور فضیلت اور امتیاز توانہی (دونوں) کے لئے ہے۔ اسی طرح میرے شیخ محدث علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور میرے شیخ محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ حضرت قاسم العلوم کی تالیفات کے بڑے ماہر تھے۔

ولیکن ھذا اٰخر ما أردنا تحریرہ فی تقدمۃ ھذہ الرسالۃ ونختمھا بالصلاۃ علی النبی ﷺ بالألفاظ المأثورۃ:

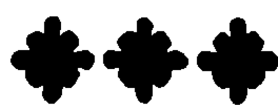
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

کتبہ أبو سعید غلام مصطفٰی القاسمی السندی
ابن الحافظ الحاج القاری محمود السندی
محرم الحرام ۱۳۹۸ھ والمطابق ۱۹۷۸ء
باکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ بحیدر آباد السند

اس رسالہ کے مقدمہ میں جو ہم نے تحریر کرنا چاہا اس کا آخر یہیں ہونا چاہئے اور ہم رسول اللہ ﷺ پر الفاظ ماثورہ سے درود شریف پڑھتے ہوئے اس مقدمہ کو ختم کرتے ہیں:

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ"

اس مقدمہ کا کاتب ابو سعید غلام مصطفٰی قاسمی سندھی ولد حافظ حاجی قاری محمود سندھی ہیں، محرم الحرام ۱۳۹۸ھ بمطابق ۱۹۷۸ء شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبحان من حارت العقول في بعض مخلوقاته فضلا عن كنه ذاته و صفاته و أصلي و أسلم على و اسطة فيوضاته و على آله و أصحابه المختصين بكراماته. اما بعد!

پاک ہے وہ ذات (کریم) جس کی بعض مخلوقات میں عقلیں حیران ہیں۔ چہ جائیکہ اس کی ذات وصفات کی حقیقت حاصل کر سکیں اور میں درود وسلام بھیجتا ہوں اس (اللہ تعالیٰ) کے فیوضات کے واسطہ (رسول اللہ ﷺ) پر اور اس (رسول اللہ ﷺ) کی آل پر اور اس (رسول اللہ ﷺ) کے اصحاب پر جو اس (اللہ تعالیٰ) کی نوازشوں کے ساتھ مختص ہیں، اما بعد!

فيقول الفقير إلى ربه الغني أبو الحسن النقشبندي السندي المدني أنه لما أشار إلى من يتحتم على طاعته و لا يسعني مخالفته أن أحرر ما وقفت عليه في مسئلة حياة الأنبياء و الشهداء من تحقيقات الأكابر من فحول العلماء أقدمت على ذلك مستعينا بالمعين المالك، سائلا منه تعالى أن يعلمني من لدنه علما و يرزقني مددا و فهما و سميته إنباء الأنباء في حياة الأنبياء، أحيا الله تعالى بهم قلوبنا و ستر بهم عيوبنا آمين، فأقول و بالله التوفيق[1].

سبب تالیف

حمد وصلاۃ کے بعد اپنے رب غنی کا محتاج ابوالحسن نقشبندی سندھی مدنی (رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ جب اس شخص نے جس کی اطاعت مجھ پر ضروری ہے اور مجھ میں اس کی مخالفت کی طاقت نہیں اشارہ کیا کہ میں مسئلہ حیات النبی ﷺ اور حیات شہداء میں ماہر علماء کی جن تحقیقات سے میں واقف ہوں ان کو لکھوں تو میں نے اس پر مددگار مالک کی ذات سے مدد طلب کرتے ہوئے قدم اٹھایا۔ اس سے سوال کرتے ہوئے کہ مجھے اپنے پاس سے علم عطاء کرے اور مجھے مدد اور فہم بخشے اور میں نے اس کا نام ''انباء الانباء فی حیاۃ الانبیاء'' رکھا اللہ تعالیٰ ان کے (علم کے) وسیلہ سے ہمارے دلوں کو زندہ کرے اور ان (کی سفارش) کے ذریعہ سے ہمارے عیوب کو چھپائے۔ آمین! پس تو میں شروع کرتا ہوں اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

مقدمہ

اعلم أن الله تعالى قد أخبر في كتابه المجيد بثبوت الحياة للشهيد فقال عز من قائل: وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (البقرة: ١٥٤) و قال الله تعالى في آية أخرى: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (آل عمران: ١٦٩) فهذا المقدار معلوم بالقطع يجب على المكلف اعتقاده و كذلك صح عن النبي ﷺ ما يدل على ثبوت الحياة للأنبياء۔

---

[1] و صلى الله على أشرف المخلوقات سيدنا محمد ﷺ هذه التصلية جاءت في أول الصفحة و في ظني أنها من عمل الناسخ فأوردتها في الحاشية.

مقدمہ

حیات شہداء کے قرآنی دلائل

جان لے! بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب میں خبر دی ہے کہ شہید کے لئے حیات ثابت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوں تو ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم کو (ان کی زندگی کا) احساس نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا اور (اے پیغمبر) جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے۔ پس اتنی مقدار یعنی (شہید کے لئے حیات کا ثبوت جو ان آیات میں مذکور ہے) قطعی طور پر معلوم ہے عاقل بالغ مسلمان کا اس کو دل سے ماننا فرض ہے۔''

حیات شہداء کے حدیثی دلائل

اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے (سنداً) کئی صحیح احادیث (مروی) ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی حیات کے ثبوت پر دلیل ہیں۔

فمنه ما خرجه ابن عدی فی کامله وأبو یعلی[1] برجال ثقات عن أنس ﷺ مرفوعا الأنبیاء أحیاء فی قبورهم یصلون. وصححه البیهقی کما ذکره السمهودی فی الخلاصة وأورده الأردبیلی فی شرح المصابیح أیضا، ومنه ما سنذکره إن شاء الله تعالیٰ فی المقاصد، لکن لا ندری بالقطع أن تلك الحیاة علی أی کیفیة وأن ثبوتها لهم بأی معنی؟ وأن فیها أی مزیة؟ وقد أفصح عن ذلك القاضی أبو یعلی الحسنی فی کتاب إبطال التأویل له فقال: والله إنا لعاجزون، کالون، حائرون، باهتون فی حد الروح التی هی فینا وأنه کیف حیاة الشهداء وکیف حیاة الأنبیاء الآن، نقله الذهبی فنقول: إن الحیاة ثابتة لهم بلا ریب، ونکل علم کیفیتها إلی عالم الغیب سبحانه وتعالیٰ.

ان (احادیث) میں سے ایک حدیث وہ ہے جس کو ابن عدی نے اپنی کامل (نامی کتاب) میں اور ابویعلی (الموصلی) نے (اپنی مسند میں) ثقہ رجال کے ساتھ حضرت انس ﷺ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں اس حال میں زندہ ہیں کہ وہ نماز پڑھتے ہیں۔ اس کو امام بیہقی نے صحیح کہا ہے جیسا کہ علامہ سمہودی نے ''الخلاصۃ'' میں اس کو ذکر کیا ہے اور اس کو اردبیلی بھی مصابیح کی شرح میں لائے ہیں۔ دیگر احادیث بھی ہیں جن کو ہم عنقریب مقاصد میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ! لیکن ہم (یہ) یقینی طور پر نہیں جان سکتے کہ اس حیات کی کیفیت کیا ہے اور اس حیات کا ان کے لئے ثبوت کس معنی میں ہے؟ اور اس میں (ان کا) کس قسم کا امتیاز ہے؟ قاضی ابویعلی الحسنی نے اپنی کتاب ''ابطال التاویل'' میں اسی سے پردہ ہٹایا ہے۔ چنانچہ فرمایا: اللہ کی قسم! ہم اُس روح کی پہچان

---

[1] انظر مسند أبو یعلی الموصلی رقم الحدیث ٣٤٢٥ قال المحقق حسین سلیم أسد إسناده صحیح

میں بے بس ہیں، تھکے ماندہ ہیں، حیران، انگشت بدندان، ہکے بکے ہیں (کہ اس روح کی حقیقت کیا ہے) جو خود ہمارے (اپنے) جسم میں ہے اور (نیز یہ معلوم کرنے سے بھی عاجز ہیں کہ) شہداء کی حیات کیسی ہے؟ اور ابھی (اس وقت) انبیاء علیہم السلام کی حیات کیسی ہے؟ اس کو ذہبی نے نقل کیا ہے۔ (چونکہ نفس حیات ثابت ہے اور اس کی کیفیت مجہول ہے) اس لئے ہم کہتے ہیں کہ بے شک ان کے لئے حیات تو بغیر کسی شک وشبہ کے ثابت ہے اور ہم اس کیفیت کے علم کو عالم الغیب سبحانہ وتعالیٰ کے حوالہ کرتے ہیں (اس کو وہی جانتے ہیں)

ولنعم من قال:

ونؤمن بالآيات جميعا كما أتت كذلك أخبار الرسول الثاقب

وأن حياة الأنبياء محققة ويجهل فيها الكيف جهل الشهارب[1]

ونركب للتسليم سفنا فإنها لتسليم دين المرء خير المراكب

اور (اسی بات کو نظم میں) جس نے کہا (کیا ہی) اچھا (کہا) ہے،

ترجمہ اشعار: ہم تمام نشانیوں پر جس طرح وہ وارد ہیں ایمان رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہم ایمان لاتے ہیں۔ سچے رسول ﷺ کی خبروں پر اور بے شک انبیاء علیہم السلام کی حیات ثابت شدہ ہے اور اس کی کیفیت اسی طرح مجہول ہے جس طرح بڈھے کھوسٹ سمجھ نہیں پاتے اور ہم تسلیم کی کشتیوں پر سواری کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ آدمی کے دین کو سلامت رکھنے کے لئے بہترین سواریاں ہیں۔

وأما ما ذكره أهل الاتفاق من الوجوه والكيفيات في هذا الشأن فإنما هو على سبيل الاحتمال والإمكان لا على جهة الجمع والإذعان فمن راجح ومن مرجوح ومن صحيح ومن مجروح وإذ قد تمهد هذا فلنشرع فيما هو المقصود ولننظم فوائده في ثلاثة عقود.

لیکن اہلسنت نے اس مسئلے میں (ان کی زندگی کی) جو صورتیں اور کیفیات ذکر کی ہیں وہ سب احتمال وامکان کے درجے میں ہیں نہ کہ حتمی اور یقینی۔ تب ہی تو ان میں سے کچھ راجح ہیں اور کچھ مرجوح، کچھ صحیح ہیں اور کچھ غلط۔ بہر حال جب یہ تمہید پوری ہوگئی تو اب ہم اصل مقصود کو شروع کرتے ہیں اور اس کے فوائد کو تین حصوں میں بیان کریں گے۔

العقد الاوّل...... في حياة الشهداء

اعلم أنهم قد اختلفوا في أن ثبوت الحياة لهم هل هو على سبيل الحقيقة أو المجاز؟ فقيل بالثاني لأنهم يصيرون أحياء في الآخرة ووصفوا به لتحققه ودنوه فهو رد لقول الكفار: إن الناس يقتلون أنفسهم بلا فائدة. أي لا تظنوا أن لا فائدة لهم، فإنهم سيحيون ويثابون عليه ثوابا جميلا أو بمعنى أنهم أحياء في الذكر كما قيل فيما أخرجه البخاري في صحيحه عن أنس بن مالك قال سمعت رسول الله ﷺ يقول من سره أن

[1] قال في الكتاب: الكلمات الحسان في بيان علوّ الرّحمٰن لعبد الهادي بن حسن وهبي ومعنى الشهرب: العجوز الكبير.

يبسط له في رزقه أو ينسأ له في أثره فليصل رحمه انتهى[1]. إن معنى زيادة العمر أن يبقى ثناؤه الجميل على ألسنة الناس فكأنه لم يمت فمعنى كونهم أحياء أنه لما استمر ذكرهم الحسن بخير الأعمال من الشهادة ونحوها فكأنهم أحياء كما قيل۔

موت التقي حياة لانفاد لها قد مات قوم وهم في الناس أحياء

پہلا حصہ...... شہداء کی حیات میں ہے

یہ حیات حقیقی ہے یا مجازی

جان لیں کہ شہداء کے لئے حیات کے ثبوت میں اختلاف ہے کہ ان کی (قبر والی حالت[2]) حیات حقیقی ہے یا مجازی؟ دوسرا قول اختیار کیا گیا ہے کہ (ان کی قبری حالت والی حیات) مجازی ہے (وہ یوں کہ حقیقتاً تو) وہ آخرت میں زندہ ہوں گے، (سوال ہوا کہ پھر ان کو اس حالت میں کیوں زندہ کہا گیا ہے، اس کا جواب یہ دیا کہ) ان کو (اس حالت میں) زندہ اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کا زندہ ہونا یقینی اور قریب ہے (اور جو چیز یقینی اور قریب الوقوع ہو اس کو وقوع سے پہلے ہی واقع بتلایا جاتا ہے) بہر حال اس مجازی مراد لینے کی صورت میں ان کو زندہ کہا جانا کفار کے اس قول کا رد ہوگا کہ لوگ اپنے آپ کو بلا فائدہ مرواتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یوں نہ سمجھو کہ ان کو کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے کہ وہ عنقریب زندہ کئے جائیں گے اور ان کو اچھا بدلہ دیا جائے گا یا (ان کی قبر والی حیات) مجازی ہے یوں کہ ان کا ذکر خیر لوگوں میں موجود ہے (تو گویا وہ قبروں میں زندہ ہیں۔ آیت میں شہداء کو قبروں میں زندہ کہا گیا اور مراد دنیا میں لوگوں کے اندر ان کا ذکر خیر ہے یہ ایسا مطلب ہے) جیسا کہ وہ حدیث جو امام بخاری نے اپنی

---

[1] قلت إن الإمام البخاري قد عقد بابا بعنوان باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم (في كتاب الأدب رقم الحديث ۵۶۳۹، ۵۶۴۰ أبو عبيدة السندي) وجاء فيه بحديثين الأول عن أبي هريرة ﷺ قال سمعت رسول الله ﷺ يقول من سره أن يبسط له في رزقه وأن ينسأله في أثره فليصل رحمه وليس فيه أو بل الواو والحديث الثاني عن أنس بن مالك ﷺ أن رسول الله ﷺ قال من أحب أن يبسط له في رزقه وينسأ له في أثره فليصل رحمه وليس فيه سمعت ولا قوله من سره كما أوردهما العلامة السندي. لعل هذا الحديث بهذه الألفاظ يكون في موضع آخر (قلت نعم هو موجود في موضع آخر بنص ما ذكره العلامة السندي انظر في كتاب البيوع باب من أحب البسط في الرزق رقم الحديث ۱۹۶۱ طبع دار ابن كثير. أبو عبيدة السندي) وفي هذا الحديث سؤال مشهور وهو أن الآجال مقدرة وكذا الأرزاق لاتزيد ولاتنقص فأجيب بأنها بحسب الكيف لا الكم أو أنها بالنسبة إلى ما يظهر للملائكة في اللوح المحفوظ بالمحو والإثبات والأظهر الجواب بأن المراد بقاء ذكره الجميل بعده فكأنه لم يمت فإن الأثر ما يتبع الشيء فمعنى يؤخر في أثره أن يؤخر ذكره الحسن بعد موته أو يجري به ثواب عمله بعده. ذكر الإمام السندي المؤلف هذا الجواب فقط لكونه قويا راجع الجامع الصحيح للبخاري (ج ۲، ص ۸۸۵) طبع أصح المطابع وحواشيه. أبو سعيد السندي.

[2] قولہ قبر والی حالت، یہ تعبیر اس لئے اختیار کی گئی ہے تاکہ وہ شہداء جو بمباری وغیرہ میں جل کر راکھ ہو گئے اور ان کو معہود قبر میں دفن نہ کیا جا سکا۔ ان کے حیات والے حکم خداوندی میں شامل نہ ہونے کا وہم نہ ہو۔

صحیح میں حضرت انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس شخص کو اس بات سے خوشی ہو کہ (دنیا میں) اس کا رزق کشادہ ہو یا اس کی عمر میں زیادتی ہو۔ (حالانکہ حقیقت میں عمر کے اندر زیادتی نہیں ہوسکتی) تو وہ اپنے رشتہ داروں سے تعلقات جوڑے، کا مطلب ہے۔ (اس لئے اس حدیث میں) عمر میں زیادتی کا (ایک) مطلب یہی ہے کہ (جس شخص کو اس بات سے خوشی ہو کہ) اس کا اچھا ذکر لوگوں کی زبانوں پر باقی رہے گویا کہ مرا ہی نہیں (اور یوں اس کی عمر میں زیادتی ہوجائے تو وہ صلہ رحمی کرے) تو (آیت میں) شہداء کے زندہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب ان کا اچھا تذکرہ (ان کے) نیک اعمال یعنی شہادت وغیرہ کی وجہ سے ہمیشہ ہوتا رہے گا تو گویا وہ زندہ ہیں۔ (دنیا میں اچھے تذکرہ سے قبر میں حیات مراد لینا صرف شرع ہی نہیں عرف میں بھی موجود ہے) جیسا مقولہ ہے کہ متقی (پابند شرع آدمی) کی موت ایسی حیات ہے کہ اُس کا کوئی خاتمہ نہیں ہے۔ (نیز یہ بھی مقولہ ہے) کہ فلاں قوم مرگئی۔ (حالانکہ وہ لوگ زندہ ہوتے ہیں لیکن چونکہ اعمال بد کے حامل ہوتے ہیں۔ اس لئے قابل تذکرہ نہیں ہوتے، یوں زندہ ہوکر بھی مردہ قرار پائے)

وقیل بالأول وهو الصواب إذ الأصل هو الحقيقة ولا يعدل عنها إلا لدليل ثم اختلف هؤلاء في أن ثبوت الحياة الحقيقية هل هو لأرواحهم فقط أو لها وللأجسام معًا؟

حیات کا ثبوت حقیقی ہے

اور ایک قول یہ ہے کہ شہداء حقیقتاً زندہ ہیں اور یہ ہی صحیح ہے۔ اس لئے کہ اصل الفاظ میں حقیقت ہے اور حقیقی معنی کو بغیر دلیل ترک نہیں کیا جاتا۔ پھر حقیقی معنی مراد لینے والے حضرات کا اس بات میں اختلاف ہے کہ حقیقی حیات کا ثبوت شہداء کی صرف ارواح کے لئے ہے؟ یا ارواح اور اجسام دونوں کے لئے؟

فذهب طائفة إلى الأول ووجه تخصيص الشهداء بها حينئذ ومزيتهم فيها مع أن بقاء الأرواح مشترك بينهم وبين غيرهم إما بأنه يعرض عليهم من الكرامات التي أعد الله لهم ما لا يعرض على من سواهم، فيستلذون بالعلوم السنية والإدراكات البهية كما روى عن الحسن أن الشهداء أحياء عند الله تعالى تعرض أرزاقهم على أرواحهم ويصل إليهم الروح والريحان والفرح كما تعرض النار على آل فرعون غدوا وعشيا فيصل إليهم الوجع والألم ذكره الخازن وغيره وإما بأن جعل أرواحهم في أجواف طيور تسرح في الجنة ليستلذوا بذلك من اللذائذ الجسمانية إذ الروح المجرد إنما يتنعم باللذائذ العقلية ولا يهتدي إلى النعيم الجسمي من الأكل والشرب ونحوهما إلا بواسطة الجسم ويؤيده ما رواه أبو داود وغيره عن ابن عباس رضی اللہ عنہما أن رسول الله ﷺ قال لأصحابه: إنه لما أصيب إخوانكم بأحد جعل الله تعالى أرواحهم في جوف طير خضر ترد أنهار الجنة تأكل من ثمارها وتأوي إلى قناديل من ذهب معلقة في ظل العرش انتهى[1]

---

[1] قلت: الإمام أبو داؤد خرجه في باب فضل الشهادة عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول الله ﷺ لما أصيب إخوانكم بأحد جعل الل...... الحديث. وقلت إن الحديث طويل وفي آخره "فلما وجدوا طيب مأكلهم ومشربهم ومقيلهم قالوا من يبلغ إخواننا عنا أنا أحياء في الجنة نرزق لئلا يزهدوا في الجهاد ولا ينكلوا عند الحرب فقال الله سبحانه أنا أبلغه عنكم قال فأنزل الله (وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ) إلى آخر الآية" راجع سنن أبي داؤد ج ١ ص ٣٩٥ بتحقيق الساعاتي طبع مصر۔ أبو سعيد السندی.

حقیقی حیات صرف ارواحِ شہداء کے لئے ماننے کی صورت میں ہونے والے اعتراض کا جواب

ایک جماعت نے کہا کہ حقیقی حیات کا ثبوت شہداء کی صرف ارواح کے لئے ہے (جب ان پر اعتراض ہوا کہ ارواح تو شہید اور غیر شہید دونوں کی زندہ ہوتی ہیں تو اس میں صرف شہداء کی ارواح کی کیا تخصیص ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ مانا کہ) ارواح تو شہید اور غیر شہید دونوں کی زندہ ہوتی ہیں (ان کو موت نہیں آتی) باقی رہی۔ اس حیات میں شہداء کی ارواح کی تخصیص اور اس چیز میں ان کا (دوسروں سے) ممتاز ہونا (تو وہ دو وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے ہے ایک) یا تو اس لئے ہے کہ وہ انعامات جو اللہ تعالیٰ نے شہداء کے لئے تیار کئے ہیں۔ شہداء پر پیش کئے جائیں گے، دوسروں پر پیش نہیں کئے جائیں گے۔ تب ہی وہ اونچے علوم سے اور خوبصورت احساسات سے لطف اندوز ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت حسن رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ شہداء اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں، ان کا رزق ان کی روحوں پر پیش کیا جاتا ہے اور ان کو راحتِ رزق اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرعون کے کارندوں پر صبح وشام آگ پیش کی جاتی ہے۔ اس لئے ان کو درد اور تکلیف پہنچتی ہے۔ اس کو خازن وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

یا (اس تخصیص اور امتیاز کی دوسری وجہ) یہ ہے کہ ان کی ارواح کو ان پرندوں کے پیٹوں میں رکھا جاتا ہے جو بہشت میں گھومتے ہیں، تا کہ مادی لذت اٹھائیں۔ اس لئے کہ محض روح صرف عقلی لذتیں تو اٹھا سکتی ہے، جسمانی لذتوں یعنی کھانے پینے وغیرہ تک اس کی رسائی جسم کے واسطہ کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو ابو داؤد وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ: جب تمہارے بھائیوں کو جنگ اُحد میں قتل کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے پیٹ میں رکھ دیا، جو جنت کی نہروں پر آتے ہیں۔ اس کے پھل کھاتے ہیں اور عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی سونے کی قندیلوں میں بیٹھتے ہیں۔ (انتہیٰ)

والمراد من الجوف في قوله جوف طير الجنس بقرينة الإضافة إلى الجمع، إذ الطير جمع كما في القاموس يعني في أجواف طير كما في رواية الترمذي[1] فهو من باب توزيع الأحاد على الأحاد.

حدیث میں پرندوں کے پیٹ سے مراد جنس پیٹ ہے، قرینہ جمع کی طرف اضافت ہے اس لئے کہ طیر جمع ہے۔ جیسا کہ قاموس میں ہے (اب) پرندوں کے پیٹ کا مطلب "پرندوں کے پیٹوں" ہوگا۔ جیسا کہ ترمذی کی روایت میں (پرندوں کے پیٹوں یعنی جمع والا لفظ منقول) ہے اور یہ مفردوں کو مفردوں پر تقسیم کرنے والی بات ہے (اب روحوں کو پرندوں کے پیٹوں میں رکھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک روح ایک پرندے کے پیٹ میں اور دوسری روح دوسرے پرندے کے پیٹ میں رکھی جائے گی)

---

[1] قلت هذا الحديث قد ورد في سنن الترمذي في موضعين: الأول باب ما جاء في ثواب الشهيد: عن ابن كعب بن مالك عن ابيه أن رسول الله ﷺ قال: إن أرواح الشهداء في جوف طير خضر تعلق من ثمرة الجنة أو شجر الجنة. هذا حديث حسن صحيح وقلت ليس فيه ذكر الأجواف بالجمع ويمكن أن يكون في النسخ المصرية بالجمع أو ورد هذا الحديث في موضع آخر من السنن بالجمع ولم أقفه. والله أعلم والثاني في تفسير سورة البقرة ولم يرد فيه لفظ الجوف ولا الأجواف. (قلت هذا الحديث بلفظ الأجواف ليس في موضع من جامع الترمذي بل ورد به في مسند الإمام أحمد والجهاد لابن أبي عاصم والشريعة للآجري والأسماء والصفات للبيهقي، فلعل المصنف سها فيه فو رحمه الله، أبو عبيدة السندي)

فان قيل: لا يخلو إما أن يحصل لتلك الطيور حياة لهذه الأرواح أو لا، فعلى الأول يلزم قول أهل التناسخ و تنزلهم من الصفات الإنسانيه إلى الأوصاف الحيوانية، و على الثاني أنه حبس لهم.

امتیاز کی دوسری وجہ پر ہونے والے اعتراض کا جواب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ (روحوں کو پرندوں کے پیٹ میں رکھنے کی) یہ (توجیہ) دو باتوں سے خالی نہیں یا تو وہ پرندے ان شہداء کی ارواح کی وجہ سے زندہ ہوں گے یا شہداء کی ارواح کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی پرندوں والی ارواح کی وجہ سے زندہ ہوں گے؟ اگر کہا جائے کہ وہ پرندے ان شہداء کی ارواح کی وجہ سے زندہ ہوں گے تو (اس سے دوخرابیاں ہونگیں ایک خرابی تو) یہ کہ اہل تناسخ کا عقیدہ لازم آئے گا (کہ ایک جاندار کی روح اس کے مرنے کے بعد دوسرے جاندار میں چلی جاتی ہے اور دوسری خرابی یہ کہ) انسانی روحیں حیوانی روحوں میں بدل جائیں گی (جو ایک خامی ہے نہ کہ خوبی اس لئے کہ یہ ترقی سے تنزلی ہے) اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ پرندے ان شہداء کی ارواح کی وجہ سے زندہ نہیں ہوں گے (بلکہ ان کی حیات ان کی اپنی روحوں سے وابستہ ہوگی) تو لازم آئے گا کہ یہ ان ارواح کے لئے (پرندوں کے پیٹوں میں) حبس (اور تنگی) ہے۔

قلنا: نختار الشق الثاني إن كان يكفي تلذذ الروح باللذة الجسمية مجرّد وضعها في الجسم من غير أن يكون مدبرة له، و نمنع كونه حبسا لجواز أن يخلق الله في تلك الأجواف من السرور و السعة ما لا يوجد في الفضاء.

ہم کہتے ہیں کہ ہم دوسری صورت کو اختیار کرتے ہیں۔ بشرطیکہ روح کے لذت جسمیہ سے لطف اندوز ہونے کے لئے اس کو صرف جسم میں رکھنا ہی کافی ہو بھلے اس کا بدن کے ساتھ تعلق بھی نہ ہو اور ہم اس کا حبس ہونا نہیں مانتے اس لئے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالی ان پیٹوں میں ایسا سرور اور وسعت پیدا فرمادے جو کہ (کھلی) فضا میں (بھی) نہ ہو۔

و إن قيل لا بد فيه من تعلقها بالبدن التعلق المخصوص، نختار الشق الأول و نمنع لزوم التناسخ لأن التناسخ انتقال الروح من جسد إلى آخر على وجه ينفي الحشر و النشر. و لا يلزم هذا مما ذكرنا لأنا نقول إنها تكون في الأجواف المذكورة إلى النفخة الثانية، ثم يرجع كل روح إلى جسده الأول، و كذا نمنع لزوم التنزل و التنقص لجواز أن تبقى الروح على ما كان عليه من الكمالات الإنسانية.

اور اگر اس پر اعتراض کیا جائے کہ (لذت جسمیہ کے حصول کے لئے صرف روح کو بدن میں رکھنا ہی کافی نہیں بلکہ) اس کے لئے ارواح کا بدن کے ساتھ مخصوص تعلق (جو ایک روح کا اپنے بدن کیساتھ ہوتا ہے) ضروری ہے؟ تو ہم پہلی شق اختیار کرتے ہیں اور تناسخ کے لزوم کو نہیں مانتے اس لئے کہ تناسخ روح کے ایک جسم سے دوسرے جسم کی طرف اس طرح منتقل ہونے کو کہتے ہیں کہ جس سے حشر و نشر کی نفی ہو جائے اور یہ بات ہماری مذکورہ توجیہ سے لازم نہیں آتی۔ اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ ارواح مذکورہ پیٹوں میں نفخہ ثانیہ تک ہوں گی۔ پھر ہر روح اپنے پہلے جسم کی طرف لوٹے گی اور ایسے ہی ہم انسانی روحوں کے حیوانی روحوں میں بدل جانے کے لزوم کو (جو ایک عیب اور نقص ہے) نہیں مانتے اس وجہ سے کہ ممکن ہے کہ (شہید کی) روح (پرندوں کے پیٹ میں رکھے جانے باوجود) بدستور کمالات انسانیہ سے متصف رہے (اور حیوانی روح میں تبدیل نہ ہو)

وذهبت طائفة إلى الثاني وهو أن الحياة الحقيقية لأرواحهم مع الأجساد ثم اختلف هؤلاء في معنى ثبوت الحياة للأجسام، فقيل هو بمعنى أن أجسامهم تبقى كيوم استشهدوا ولاتبلى، وأشار إليه القسطلاني في المواهب وذكر العلامة ابن حجر[1] في كتابه المسمى بالجوهر المنظم: أن حياة أجسامهم بمعنى أنها لاتبلى وأنه تستمر فيها أمارة الحياة من الدم وطراوة البدن, والقول بعود أرواحهم إلى أجسامهم وبقائها فيها إلى يوم القيمة مردود لأنه مخالف للأحاديث الصحيحة انتهى.

حقیقی حیات کا ثبوت شہداء کے ارواح اور اجسام دونوں کے لئے ہے

ایک جماعت نے کہا کہ حقیقی حیات کا ثبوت شہداء کے ارواح اور اجسام دونوں کے لئے ہے۔ پھر ان لوگوں کا آپس میں اختلاف ہے کہ اجسام کے زندہ ہونے کا کیا مطلب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اجسام کے زندہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اجسام اُسی دن کی طرح باقی رہتے ہیں جس دن شہید کئے گئے تھے اور وہ گلتے نہیں اور قسطلانی نے مواہب لُدنیہ میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور علامہ ابن حجر مکی نے اپنی کتاب ''الجوہر المنظم'' میں ذکر کیا ہے کہ ان (شہداء) کے اجسام کے زندہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بوسیدہ نہیں ہوں گے اور ان میں زندگی کی علامت جیسے خون اور بدن کا تازہ رہنا ہمیشہ برقرار رہے گا (باقی اجسام کے زندہ ہونے کا) یہ مطلب لینا کہ ان کی ارواح ان کے اجسام میں لوٹائی جائیں گی اور وہ ان جسموں میں قیامت تک باقی رہیں گی، باطل ہے۔ اس لئے کہ یہ مطلب صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ (انتہیٰ)

أقول: منها ما صح أنهم قالوا يارب أن ترد أرواحنا في أجسادنا حتى نقتل في سبيلك مرة أخرى فلم يستجب لهم كذا في صحيح مسلم عن ابن مسعود مرفوعا، ومنها ماخرجه الترمذي عن جابر بن عبدالله قال: لقيني رسول الله ﷺ وأنا مهتم فقال لي: مالي أراك منكسرا؟ قلت: يارسول الله استشهد أبي يوم أحد، وترك عيالا ودينا فقال: ألا أبشرك بما لقي الله به أباك قلت: بلى قال: ما كلم الله أحدا قط إلا من وراء حجاب وأحيا أباك فكلمه كفاحا وقال يا عبدي تمن علي أعطك قال يارب تحييني فأقتل فيك ثانية. قال الرب عزّوجلّ: إنه قد سبق مني أنهم لايرجعون انتهى[2].

---

[1] قلت المراد منه الشيخ شهاب الدين احمد بن حجر الهيتمي المكي الشافعي المتوفى سنة ۹۷۳ ثلاث و سبعين وتسع مأة. كتابه الجوهر المنظم في زيارة القبر المكرم محتو على مقدمة وثمانية فصول و خاتمة أوله: أحمدك اللهم أن أهلتنا على ما فينا الخ ألفه في زيارته في شوال سنة ۹۵۶ هـ ست وخمسين وتسع مأة راجع كشف الظنون لملا كاتب چلپي ج ۱ ص ۴۱۲ طبع القديم

[2] قلت الإمام الترمذي خرج هذا الحديث في تفسير سورة البقرة (قلت بل في تفسير سورة آل عمران. أبو عبيدة السندي) وليس فيه قوله "أنا مهتم" ولا لفظ "يوم أحد" وفيه "إلا من وراء حجابه" بالضمير راجع سنن الترمذي ص ۴۲۸ طبع أصح المطابع بكراتشي السند لعله أورده في موضع آخر بهذه الألفاظ ولم ألفه. أبو سعيد السندي

میں (مصنف) کہتا ہوں (اجسام کے زندہ ہونے کا باطل مطلب جو ابھی گزرا جن صحیح احادیث کے خلاف ہے) اُن میں سے (ایک) صحیح (حدیث وہ ہے جس میں) ہے کہ جب (شہداء نے اللہ تعالیٰ سے یہ) عرض کی کہ اے ہمارے پروردگار! آپ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیں تا کہ ہم آپ کے راستہ میں دوبارہ قتل کئے جائیں تو یہ عرض قبول نہیں کی گئی۔ (یہ حدیث) صحیح مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اسی طرح مروی ہے اور (اجسام کے زندہ ہونے کا باطل مطلب جو ابھی گزرا جن صحیح احادیث کے خلاف ہے) اُن میں سے (دوسری) صحیح حدیث وہ ہے کہ جو امام ترمذی نے حضرت جابر سے نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: مجھ سے رسول اللہ ﷺ کی ملاقات ہوئی۔ اس حال میں کہ میں غمزدہ تھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کیا ہوا! غمگین نظر آرہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے والد احد کے دن شہید ہو گئے ہیں (اس لئے غمگین ہوں) اور عیال اور قرض چھوڑا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں اس (کیفیت) کی خوشخبری نہ سناؤں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ تیرے ابا کے ساتھ ملے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر کسی سے پردہ کے پیچھے سے بات کی لیکن تیرے ابا کو زندہ کیا تو ان سے آمنے سامنے بات کی اور فرمایا کہ میرے بندے! دل کی مراد مجھ سے مانگو میں تجھے عطاء کروں گا۔ اُنہوں نے عرض کیا اے میرے رب! آپ مجھ کو زندہ کریں (اور دنیا میں بھیجیں تا کہ) میں آپ کی راہ میں دوبارہ قتل کیا جاؤں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ: ''میری طرف سے فیصلہ ہو چکا کہ مرنے کے بعد کوئی دنیا میں واپس نہیں جا سکتا۔ (انتہیٰ) (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زندہ تو کیا تھا لیکن روح جسم میں نہیں لوٹائی تھی جب ہی تو روح جسم میں لوٹانے کا سوال کیا)

و روی أنه لما أراد معاوية[ل] أن يجري الماء على قبور الشهداء فأمر أن ينادي من كان له قتيل فليخرجه وليحوله من هذا الموضع. قال جابر: فخرجنا إليهم و أخرجناهم رطاب الأبدان، فأصاب المسحاة أصبع رجل منهم فانبعث دما. ذكره الحارث.

(اجسام کے زندہ ہونے کا مطلب ان کی عدم بوسیدگی اور خون اور بدن کا ہمیشہ تر و تازہ رہنا ہے۔ اس مطلب کی تائید) اس روایت سے ہوتی ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارادہ فرمایا کہ شہداء کی قبور کی جگہ سے نہر نکالی جائے۔ (اور یہ واقعہ احد کے تقریباً پچاس سال بعد کا واقعہ ہے) تو حکم فرمایا کہ اعلان کیا جائے کہ جس کا کوئی مقتول ہے تو وہ اس کو نکالے اور اس جگہ سے منتقل کرے، جابر فرماتے ہیں کہ: ہم شہداء کی طرف گئے اور (قبریں کھود کر) ان کو اس حالت میں نکالا کہ ان کے بدن تر و تازہ تھے (کھدائی کے دوران) ان میں سے ایک کے پاؤں کی انگلی کو کدال لگی تو (اس میں سے) خون پھوٹ پڑا۔ اس کو (محدث) حارث نے ذکر کیا۔

ل قلت إن العلامة السبكي ذكر هذه القصة وكتب: ولما أجرى معاوية رضي الله عنه العين التي استنبطها بالمدينة وذلك بعد أحد بنحو خمسين سنة ونقل الموتى أصابت المسحاة قدم حمزة رضي الله عنه فسال منه الدم ووجه عبد الله بن حرام كأنما دفن بالأمس وروى كافة أهل المدينة أن جدار النبي ﷺ لما انهدم أيام الوليد بدت لهم قدم عمر بن خطاب رضي الله عنه وكان قتل شهيدا راجع شفاء السقام في زيارة خير الأنام ص ۲۸ ۴ طبع بولاق أبو سعيد السندي.

وقيل: هو بمعنى أن يعيد الله الحياة إلى أجسامهم ثم يبقى تلك الحياة في جميع أجزائها بعد تغيرها وتفرقها، إذ البنية المخصوصة ليست بشرط في الحياة، وأشار اليه العلامة شيخ زاده في حاشيته على البيضاوي. وقال القاضي عياض: المنعم جزء من البدن يبقى فيه الروح وهو الذي يصير طائرا. انتهى

اور ایک قول یہ ہے کہ اجسام کے زندہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اجسام میں حیات لوٹائیں گے۔ پھر وہ ان کے سب اعضاء میں ان کے سڑنے اور جسم سے الگ ہونے کے بعد (بھی) باقی رہے گی۔ اس لئے کہ حیات کے لئے خاص ڈھانچہ (جو دنیاوی حیات میں ہوتا ہے) شرط نہیں ہے۔ علامہ شیخ زادہ نے بیضاوی کے حاشیہ میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور قاضی عیاض نے فرمایا: جس پر انعام ہوتا ہے وہ بدن ہی کا جزء ہے جس میں روح باقی رہتی ہے اور وہی پرندہ ہو جاتا ہے۔ (انتہیٰ)

أقول وليست حياتهم على وجه من هذه الوجوه بحيث تدرك بالحس أو بالعقل بل بالوحي فقط قال تعالى بَلْ أَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ قال الخازن أي لاترونهم أحياء فتعلموا ذلك حقيقة، إنما تعلمون ذلك بإخباري إياكم به. انتهى!

میں (مصنف اپنی طرف سے فیصلہ کن بات) کہتا ہوں کہ: ان کی حیات مذکورہ صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں ایسی نہیں ہے کہ ظاہری حس یا عقل کے ذریعہ معلوم ہو سکے۔ بلکہ وہ فقط وحی کے ذریعہ معلوم کی جا سکتی ہے۔ (اس پر دلیل) اللہ تعالیٰ کا (یہ) فرمان ہے: ''بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (الآیۃ)'' بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم (ان کو کسی بھی ذریعہ سے زندہ محسوس نہیں کر سکتے (حواس کی دو قسمیں ہیں ظاہری، جیسے حواس خمسہ، باطنی، جیسے عقل، آیت میں دونوں کی نفی ہو گئی) خازن نے (مذکورہ آیت کی تفسیر میں) فرمایا: یعنی تم ان کو ظاہری آنکھوں سے زندہ نہیں دیکھ سکتے کہ (ان کی) اس (حیات) کو حقیقت سمجھو، تم کو تو اس (حیات) کا علم بھی محض میرے بتانے سے ہوا ہے۔ (انتہیٰ)

فلو كشف عن قبور كثير منهم لايوجد إلا الأجسام المتغير جميع أجزائها أو بعضها كما وقع لعبدالله بن عمرو بن حرام وكان من أفاضل شهداء أحد. خرج البخاري عن جابر بن عبدالله قال: لما حضر أحد دعاني أبي من الليل فقال: ما أراني إلا مقتولا في أول من يقتل من أصحاب النبي ﷺ وإني لاأترك بعدي أعز علي منك غير نفس رسول الله ﷺ وإن علي دينا فاقض واستوص بأخواتك خيرا، فأصبحنا فكان أول قتيل قتل ودفن معه آخر في قبر ثم لم تطب نفسي أن أتركه مع الآخر فاستخرجته بعد ستة أشهر فإذا هو كيوم وضعته غير[1] هنية في أذنه. انتهى!

---

[1] قال القاضي عياض: قوله في خبر ولد جابر فإذا هو كيوم وضعته يعني في القبر غير هنية في أذنه يريد غير أثر وشيء يسير غيرته الأرض من أذنه كذا رواية ابن السكن والنسفي وعند المروزي والجرجاني وأبي ذر كيوم وضعته هنية غير أذنه وهو تغيير وصوابه ما تقدم بتقديم غير. مشارق الأنوار على صحاح الآثار. ۲/۲۷۱. أبو عبيدة السندي

(مذکورہ آیت تو ان سب صورتوں کی نفی کو شامل ہے۔ باقی مشاہدہ صرف زندگی کی عدم بوسیدگی والی توجیہہ کی نفی کرتا ہے) اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر بہت سے شہداء کی قبروں کو کھولا جائے تو اجسام کے (یا تو) سب اعضاء یا (کم از کم) بعض اعضاء (تو) متغیر ہی ملتے ہیں۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کے بعض اعضاء متغیر ملے۔ حالانکہ وہ اُحد کے افضل شہداء میں سے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: جب واقعہ اُحد پیش آیا تو مجھے میرے ابا نے رات کو بلایا اور فرمایا: میں نبی اکرم ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں سب سے پہلا مقتول اپنے ہی کو کھتا ہوں اور میں اپنے بعد نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے سواء (کسی اور کو) تجھ سے زیادہ پیارا نہیں چھوڑ کر جارہا اور میرے اوپر قرض ہے اس کو ادا کرو اور اپنی بہنوں کے متعلق خیر کی وصیت قبول کرو پھر صبح ہوئی تو وہ سب سے پہلے قتل ہوئے اور ان کے ساتھ ایک ہی قبر میں دوسرا شخص بھی دفن کیا گیا۔ بعد میں یہ میرے دل کو اچھا نہیں لگا کہ میں ان کو دوسرے شخص کے ساتھ چھوڑ دوں اس لئے میں نے ان کو چھ ماہ کے بعد نکالا تو کان میں تھوڑی سی تبدیلی کے سواء وہ غیر متوقع طور پر ویسے ہی تھے جیسا میں نے ان کو قبر میں رکھا تھا۔ (انتہیٰ)

یعنی أنه لم یقع فیه تغیر غیر شیء یسیر فی أذنه أسرع إلیه البلی فتغیر عن حاله الأولی . وأما ما یوجد منهم غضا طریا فإنما یوجد میتا کیوم دفن من غیر أن یدرك فیه حس أو حیاة.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا مطلب ہے کہ ان کے جسم میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔ ہاں! کان میں معمولی قسم کی بوسیدگی آ گئی تھی، اس لئے وہ پہلی والی حالت میں نظر نہیں آ رہا تھا اور باقی جو ان (شہداء) میں سے مکمل طور پر تر و تازہ بھی پائے جاتے ہیں تو وہ بھی تو مرنے والے دن کی طرح مردہ ہی ملتے ہیں۔ ان میں حس اور زندگی کا پتہ بھی نہیں چلتا۔ (اور صرف اجسام کا تر و تازہ ہونا تو حسی ہے اور بمطابق آیت شہداء میں حیات تو ہے لیکن حسی نہیں ہے لہٰذا ہمارا سب صورتوں کی نفی کا فیصلہ اپنی جگہ درست ہے)

العقد الثاني ...... في حياة الأنبياء عليهم الصلوات و التسليمات

اعلم أنهم قالوا اثبت لهم من الحياة ما ثبت للشهيد و تثبت لهم من خصوصيات الحياة ما لم يثبت للشهدآء

دوسرا حصہ...... انبیاء علیہم السلام کی حیات کے متعلق

یہ جان لیں کہ علماء نے فرمایا کہ جو (نفس) حیات شہداء کے لئے (قرآن سے) ثابت ہے ایسے ہی (نفس) حیات انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی ثابت ہے۔ (لہٰذا نفس حیات میں دونوں برابر ہیں) لیکن اُن (انبیاء) کو زندگی کی کچھ ایسی خصوصیات بھی حاصل ہیں جو شہداء کو حاصل نہیں۔ (لہٰذا خصوصیات کے اعتبار سے انبیاء کی حیات شہداء کی حیات سے ممتاز ہیں)

أما الأوّل فمن أدلته ما ذكر في شرح المصابيح: إن الأنبياء أحياء إذ الشهدآء أحياء و قال ابن عباس رضي الله عنهما كل نبي شهيد۔ و قال حجة الإسلام: و لا تظنن أن قول الله تعالى: وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ مخصوص بالمقتول في المعركة فان للعارف بكل نفس درجة ألف شهيد انتهى.

حیات کی دلیل نمبر ۱

پہلی بات (کہ نفس حیات دونوں کو حاصل ہے) اس کے دلائل میں سے (پہلی دلیل) وہ ہے جو مصابیح کی شرح میں مذکور ہے کہ انبیاء زندہ ہیں۔ اس لئے کہ شہداء زندہ ہوتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر نبی شہید ہے۔ (لہٰذا وہ زندہ بھی ہے) اور حجۃ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا: اور آپ کو یہ گمان ہرگز نہیں کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ (آل عمران: ۱۶۹)'' جہاد میں (کفار کے ہاتھوں) مارے جانے والے کے ساتھ خاص ہے۔ اس لئے کہ عارف کو ہر سانس کے بدلے میں ہزار شہیدوں کا درجہ حاصل ہے۔ (لہٰذا عارف بھی زندہ ہونے میں شہداء کے ساتھ شامل ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا مذکورہ فرمان عام ہے) (انتہیٰ)

أقول: و لعله اطلع في ذلك على ما لم نطلع عليه و إلا فظاهر القرآن يدل على أن المراد به المقتول في المعركة. و الله تعالى أعلم. و أما ما قيل إنها لما ثبتت للشهدآء ثبتت للأنبياء عليهم السلام بالأولى ففيه أنه قد يكون في المفضول ما ليس في الفاضل.

میں (مصنف، حجۃ الاسلام رحمہ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے) کہتا ہوں کہ شاید وہ (آیت کے عارف کے معنی کو بھی شامل ہونے والے اپنے) اس (دعویٰ) میں ایسی دلیل سے آگاہ ہیں جس سے ہم آگاہ نہیں۔ ورنہ قرآن کریم کا ظاہر تو اس پر دلیل ہے کہ یہ آیت جہاد میں (کفار کے ہاتھوں) مارے جانے والے کے ساتھ خاص ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں۔ ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ جب شہداء کے لئے حیات ثابت ہے تو انبیاء علیہم السلام کے لئے بطریق اَولیٰ حیات ثابت ہوگی۔ (اس لئے کہ وہ اعلیٰ درجہ والے ہیں۔ چونکہ اس دلیل کا مدار انبیاء کی افضلیت پر ہے اور) اس میں یہ خرابی ہے (کہ اس میں ادنیٰ درجہ والے کی ہر خوبی، اعلیٰ درجہ والے میں ضروری سمجھی گئی ہے اور یہ ضروری نہیں ہے) اس لئے کہ کبھی ادنیٰ درجہ والے میں وہ خوبی ہوتی ہے جو اعلیٰ درجہ والے میں نہیں ہوتی۔ (لہٰذا یہ کوئی وزنی دلیل نہیں ہے)

ومنها ما قدمناه من قوله ﷺ: الأنبيآء أحيآء في قبورهم يصلون. قال المناوي في شرح الجامع الصغير: لأنهم كالشهداء بل أفضل والشهداء أحياء عندربهم وفائدة التقييد بالعندية الإشارة إلى أن حياتهم ليست بظاهرة عندنا (بل هي)[1] كحياة الملائكة وكذا الأنبياء انتهى.

حیات کی دلیل نمبر ۲

اوران دلائل میں سے (دوسری دلیل وہ) ہے جسے ہم (مقدمہ میں) پہلے پیش کر چکے ہیں۔ مراد رسول اللہ ﷺ کا (حضرت انس سے مروی یہ) فرمان ہے کہ: ''الأنبيآء أحيآء في قبورهم يصلون'' انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں (اورشہید بھی زندہ ہیں۔لہٰذا دونوں زندہ ہونے میں برابر ہوئے) نماز پڑھتے ہیں۔ (یہ انبیاء کی خصوصیت ہے جس پر کلام بعد میں ہوگا) علامہ مناوی نے الجامع الصغیر کی شرح میں (یہ حدیث کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں، ذکرکرکے اس کی دلیل میں) کہا: اس لئے کہ وہ شہداء کی طرح ہیں بلکہ ان سے افضل ہیں اور شہداء (ادنیٰ درجہ والے ہوکر) اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں (توانبیاء علیہم السلام جو اعلیٰ درجہ والے ہیں بطریق اَولیٰ زندہ ہوں گے) اور (شہداء کے بارے میں آیت کے اندر) اپنے رب کے پاس والی قید لگانے کا مقصد اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی حیات ہمارے ہاں (مشاہدہ میں دنیوی حیات کی طرح) حسی نہیں ہے بلکہ وہ فرشتوں اوراسی طرح انبیاء کی حیات کی طرح (غیرمحسوس) ہے۔ (انتہیٰ)

وفي الإستدلال بقوله ''لأنهم كالشهداء'' من البحث ماقدمناه[2].

اور (میں مصنف کہتا ہوں کہ) علامہ مناوی کی (حدیث انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔کے بعد) ''اس لئے کہ وہ شہداء کی طرح ہیں۔'' والی دلیل (کے اضافہ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی انبیاء علیہم السلام کی اپنی قبروں میں حیات کا مدار ان کی افضلیت پر ہے۔ جب کہ حدیث کا مدار یہ دلیل نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ اس) میں وہی خرابی ہے جو ہم (تھوڑی دیر) پہلے ذکرکر چکے ہیں۔

ومنها ماصح أنه ﷺ صلى بهم إماما في المسجد الأقصى ليلة الإسراء. أخرج مسلم عن أبي هريرة رضي الله عنه قال رسول الله ﷺ وقد رأيتني في جماعة من الأنبياء فإذا موسى قائم يصلي وإذا رجل ضرب جعد كأنه من رجال شنوءة، وإذا عيسى بن مريم قائم يصلي أقرب الناس به شبها عروة بن مسعود الثقفي وإذا إبراهيم قائم يصلي أشبه الناس به صاحبكم يعني نفسه فحانت الصلاة فأممتهم[3] وفي حديث ابن عباس عن الإمام أحمد فلما أتى النبي ﷺ المسجد الأقصى قام يصلي فإذا النبيون أجمعون يصلون معه.

---

[1] قوله (بل هي) وقوله (وكذا) إضافة وتصحيح من مراجعة أصل المأخذ على ترتيب اللف. أبو عبيدة السندي

[2] قلت هذا البحث هو مامر آنفا أنه قد يكون في المفضول ماليس في الفاضل

[3] هذه قطعة من حديث رواه أبو هريرة رضي الله عنه أوله قال رسول الله ﷺ لقد رأيتني في الحجر وقريش تسألني عن مسراي فسألتني عن أشياء من بيت المقدس لم أثبتها فكربت كربة ما كربت مثله قط قال فرفعه الله لي أنظر إليه ما يسألوني عن شيء إلا أنبأتهم وقد رأيتني في جماعة من الأنبياء..... الحديث، وليس في النسخة الهندية من صحيح مسلم لفظ "هو" بل جاء فإذا موسى عليه السلام وفي الآخر: فلما فرغت من الصلاة قال قائل يا محمد هذا مالك صاحب النار فسلم عليه فالتفت إليه فبدأني بالسلام. راجع صحيح مسلم ص ۹۲ طبع أصح المطابع بكر اتشي السند (باب الإسراء) أبو سعيد السندي.

حیات کی دلیل نمبر ۳

اور ان دلائل میں سے (تیسری دلیل) وہ ہے جو صحیح سند سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان (انبیاء علیہم السلام) کو اسراء کی رات مسجد اقصیٰ میں امام بن کر نماز پڑھائی۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے کو انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں دیکھا وہاں (ایک تو) غیر متوقع طور پر (یہ) نظر آیا کہ موسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور (دوسرا) غیر متوقع طور پر (یہ) نظر آیا کہ وہ (موسیٰ علیہ السلام) کچھ گھونگھریالے بالوں والے آدمی تھے (یوں لگتا تھا) گویا وہ شنوءۃ قبیلہ کے لوگوں میں سے ہیں اور اچانک (دیکھا کہ) عیسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں لوگوں میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ عروہ بن مسعود ثقفی ہیں اور اچانک (دیکھا کہ) ابراہیم علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں لوگوں میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ تمہارے ساتھی یعنی خود رسول اللہ ﷺ ہیں پھر نماز کا وقت ہوگیا تو میں نے ان کو امامت کرائی اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے نقل کی ہے پھر جب رسول اللہ ﷺ مسجد اقصیٰ میں آئے تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے تو اس وقت تمام انبیاء علیہم السلام بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھنے لگے۔ (اس حدیث میں موسیٰ اور ابراہیم علیہما السلام کے کھڑے ہونے اور نماز پڑھنے کو ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہیں، انبیاء کے لئے حیات اس حدیث سے اور شہداء کے لئے قرآن سے ثابت ہے۔ پس نفس حیات میں دونوں برابر ہیں)

قال البوصیری مخاطبا بجنابہ ﷺ تسلیما کثیرا

وقدمتك جميع الأنبياء بها والرسل تقديم مخدوم على خدم[1]

(یہ واقعہ معراج والی رات کا ہے) بوصیری رحمہ اللہ نے آپ ﷺ تسلیماً کثیراً کی ذات اقدس سے خطاب کر کے (اسی کی طرف اشارہ) کیا:

تمام انبیاء اور رسولوں نے آپ کو اس موقعہ پر مقدم کیا جس طرح مخدوم کو خادمین پر مقدم رکھا جاتا ہے۔

و منها قوله ﷺ: على ما في الصحيحين إن الناس يصعقون[2] يوم القيامة فأكون أول من يفيق فإذا موسى باطش بجانب العرش فلا أدري أكان فيمن صعق فأفاق قبلي أو كان ممن استثنى الله انتهى.

---

[1] اس سے پہلے یہ اشعار ہیں:

وبت ترقى إلى أن نلت منزلة من قاب قوسين لم تدرك ولم ترم

لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ جس قاب قوسین والے رتبہ کی بوصیری رحمہ اللہ نے بات کی ہے اس کا مدار اس حدیث پر ہے جو بیہقی نے الاسماء والصفات میں ذکر کی ہے اور اس کو شاذ قرار دیا ہے اور اسی شاذ حدیث کے بنیاد پر ہی ان اشعار میں آپ ﷺ کی تعریف میں غلو اور دیگر انبیاء کی تنقیص کی گئی ہے، جو کسی طرح بھی قابل ستائش نہیں ہے۔

[2] قلت إن الإمام البخاري قد خرج حديثا تحت تفسير ولما جاء موسى لميقاتنا عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه مثل هذا الحديث وفيه: قال لا تخيروني من بين الأنبياء فإن الناس يصعقون يوم القيامة فأكون أول من يفيق قال فإذا أنا بموسى آخذ بقائمة من قوائم العرش فلا أدري أفاق قبلي أم جوزي بصعقة الطور. راجع صحيح بخاري ج ١ ص ٦٦٨ طبع أصح المطابع، أبو سعيد السندي.

حیات کی دلیل نمبر ۴

اور ان دلائل میں سے (چوتھی دلیل) رسول اللہ ﷺ کا (وہ) ارشاد ہے جو کہ صحیحین میں مذکور ہے: بے شک لوگ قیامت کے دن بیہوش ہو جائیں گے۔ پھر سب سے پہلا شخص میں ہوں گا کہ جس کو افاقہ ہوگا تو غیر متوقع طور پر موسیٰ علیہ السلام عرش کے پائے کو پکڑے ہوئے ہوں گے، مجھے یہ معلوم نہیں ہوگا کہ وہ بیہوش ہوئے پھر مجھ سے (بھی) پہلے ہوش میں آئے یا ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بیہوش ہونے سے مستثنیٰ فرمایا۔ (انتہیٰ)

و فی روایة أو حوسب بصعقة الطور . ای لا أدری أنه حوسب بالغشی الذی حصل له عند الطور وحسب فیمن استثنی فلم یغش علیه عند النفخة الأولی أصلا أو غشی علیه کغیره من الأنبیاء لکن أفاق قبلهم. وقوله فأکون أول من یفیق أی أول فریق علم جزما أنه یفیق بعد ما یصعق فلا ینافیه احتمال سبق موسی بها.

ایک اور روایت میں (یا ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بیہوش ہونے سے مستثنیٰ فرمایا، والے الفاظ کے بجائے) ہے یا ان کو طور سینا پہاڑ پر بیہوشی کے سبب بدلا دیا گیا، والے الفاظ ہیں۔ (دونوں روایتوں کے مفہوم میں تضاد ہے نہ الفاظ میں، الفاظ تک میں دونوں روایات جمع ہوسکتی ہیں یوں کہ) میں نہیں جانتا کہ موسیٰ رضی اللہ عنہ کو اس بیہوشی کا بدلا دے کر جو طور کے پاس ان پر ہوئی تھی۔ مستثنیٰ لوگوں میں شامل کیا گیا۔ اس لئے ان پر نفخہ اولیٰ کے وقت بیہوشی بالکل طاری نہیں ہوئی یا دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح ان پر بھی غشی طاری ہوئی لیکن وہ ان سے پہلے افاقہ میں آگئے اور (حدیث کے اوّل یعنی پہلی خط کشیدہ عبارت میں تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ کو سب سے پہلے ہوش میں آنے والا فرمایا اور حدیث کے آخر یعنی دوسری خط کشیدہ عبارت میں موسیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے سے پہلے ہوش میں آنے والا فرمایا، لیکن چونکہ) پہلی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کے بارے میں بیہوشی کے بعد یقینی طور پر معلوم ہے کہ ہوش میں آئیں گے، میں ان سب سے پہلا ہونگا، دوسری عبارت کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ رضی اللہ عنہ کے مجھ سے پہلے ہوش میں آنے کا احتمال ہے (کیونکہ ان کی بیہوشی کا بھی صرف احتمال ہے) اس لئے حدیث کا اوّل حدیث کے آخر کے منافی نہیں ہے۔

قال البیهقی علی ما نقله الأردبیلی: إن الله رد علی الأنبیاء أرواحهم و أحیاهم فإذا نفخ فی الصور صعقوا فیمن صعق ولا یکون ذلک موتا لهم بل نوعا من الغشی والإغماء انتهی[1]

[1] قلت قال البیهقی فی حیاة الأنبیاء بعد وفاتهم: وفی الحدیث الثابت عن الأعرج عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ أنه قال لا تفضلوا بین أنبیاء الله تعالی فإنه ینفخ فی الصور فیصعق من فی السماوات ومن فی الأرض إلا من شاء الله ثم ینفخ فیه أخری فأکون أول من بعث أو فی أول من بعث فإذا موسی آخذ بالعرش فلا أدری أحوسب بصعقة الطور أم بعث قبلی؟ وهذا إنما یصح علی أن الله جل ثناؤه رد إلی الأنبیاء علیهم السلام أرواحهم فهم أحیاء عند ربهم کالشهداء, فإذا نفخ فی الصور النفخة الأولی صعقوا فی من صعق ثم لا یکون ذلک موتا فی جمیع معانیه إلا فی ذهاب الاستشعار, فإن کان موسی ممن استثنی الله عز وجل بقوله إلا من شاء الله فإنه عز وجل لا یذهب باستشعاره فی تلک الحالة ویحاسبه بصعقة الطور ویقال إن الشهداء من جملة ما استثنی الله عز وجل بقوله إلا من شاء الله ورویناه فیه خبرا مرفوعا, وهو مذکور مع سائر ما قیل فیه فی کتاب البعث والنشور. أبو عبیدة السندی

اردبیلی رحمہ اللہ کی نقل کے مطابق امام بیہقی رحمہ اللہ (اس حدیث کو اپنی کتاب حیات الانبیاء بعد وفاتھم میں مکمل نقل کر کے) فرماتے ہیں (یہ بے ہوشی کی بات اسی عقیدہ کی بناء پر صحیح ہوسکتی ہے کہ) اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر ان کی روحوں کو واپس فرما چکے ہیں، ان کو (شہیدوں کی طرح اپنے پاس) زندہ فرما چکے ہیں۔ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو بیہوش ہونے والوں کے ساتھ بیہوش ہوجائیں گے اور یہ (بیہوشی) ان کے لئے موت نہیں ہوگی بلکہ ایک قسم کی غشی اور بیہوشی ہوگی (باقی لوگوں کے لئے یہ بیہوشی بڑھتے بڑھتے موت کی صورت اختیار کرلے گی) (انتہیٰ)

ووجه الاستدلال بهذا الحديث أن فيه إثبات الإفاقة لهم، وهي تعقب الغشي وإنما يغشى على من كان حيا لكن المقدمة الأخيرة متنازع فيها وممن جزم به القرطبي كما سيأتي إن شاء الله تعالى.

اور اس حدیث سے (انبیاء علیہم السلام کی حیات پر) استدلال (بیہقی کی مذکورہ عبارت کے مطابق) یوں ہے کہ اس (حدیث) میں ان (انبیاء) کے ہوش میں آنے کو ثابت کیا گیا ہے اور وہ بیہوشی کے بعد ہوتا ہے اور بیہوشی زندہ پر ہی طاری ہوتی ہے (نتیجہ یہ نکلا کہ انبیاء زندہ ہیں) لیکن دلیل کا دوسرا جزء کہ (بیہوشی زندہ پر ہی ہوتی ہے، مصنف کے نزدیک) مسلمات میں سے نہیں ہے۔ (چونکہ دلیل کے سارے مقدمات کا مسلمات میں سے ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا یہ حدیث اس طرح سے حیات انبیاء پر دلیل نہیں بن سکتی) اور امام قرطبی رحمہ اللہ ان حضرات میں شامل ہیں، جنہوں نے اس کو مسلمات میں سے مانا ہے۔ (تب ہی تو عام مردوں کو بیہوشی سے مستثنیٰ لوگوں میں داخل کیا ہے) جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

ومنها قوله ﷺ إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه الصعقة فأكثروا من الصلاة علي فيه فإن صلاتكم معروضة علي، قالوا: يا رسول الله ﷺ! وكيف تعرض عليك صلاتنا وقد أرمت يقولون بليت فقال إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء[1]. قال الأردبيلي رواه أبو داؤد

---

[1] وقد أخرج ابن حبان بترتيب ابن بلبان عن أبي موسى رضي الله عنه قال: أتى النبي ﷺ أعرابيا فأكرمه، فقال له: "ائتنا"، فأتاه، فقال له رسول الله ﷺ "سل حاجتك" فقال ناقة نركبها، وأعنز ايحلبها أهلي، فقال رسول الله ﷺ عجزتم أن تكونوا مثل عجوز بني إسرائيل؟" فقالوا: وما عجوز بني إسرائيل؟ قال "إن موسى لما سار ببني إسرائيل من مصر ضلوا الطريق، فقال ما هذا؟، فقال علماؤهم: إن يوسف لما حضره الموت، أخذ علينا موثقا من الله أن لا نخرج من مصر حتى ننقل عظامه معنا، قال: فمن يعلم موضع قبره؟ قالوا: عجوز من بني إسرائيل، فبعث إليها، فأتته، فقال: دليني على قبر يوسف، قالت: حتى تعطيني حكمي (أي طلبي) قال: ما حكمك؟ قالت: أكون معك في الجنة، فكره أن يعطيها ذلك، فأوحى الله إليه أن أعطها حكمها فانطلقت بهم إلى بحيرة - موضع مستنقع ماء - فقالت: أنضبوا (أي جففوا) هذا الماء، فأنضبوه، قالت: احتفروا، فاحتفروا، فاستخرجوا عظام يوسف، فلما أقلوها إلى الأرض، إذا الطريق مثل ضوء النهار" برقم ۷۲۳، أبو يعلى في مسنده برقم ۷۲۵۴

وقال الألباني: (فائدة) كنت استشكلت قديما قوله في هذا الحديث "عظام يوسف" لأنه يتعارض بظاهره مع الحديث الصحيح: "إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء"، حتى وقفت على حديث ابن عمر "أن النبي ﷺ لما بدن قال له تميم الداري: ألا أتخذ لك منبرا يا رسول الله يجمع أو يحمل عظامك؟ قال: بلى فاتخذ له منبرا مرقاتين" أخرجه أبو داؤد (۱۰۸۱) بإسناد جيد على شرط مسلم، فعلمت منه أنهم كانوا يطلقون "العظام" ويريدون البدن كله، من باب إطلاق الجزء، وإرادة الكل، كقوله تعالى وقرآن الفجر أي: صلاة الفجر، فزال الإشكال والحمد لله، فكتبت هذا البيانه. أ.هـ

والنسائي وابن ماجة بإسناد صحيح[1] إلى شداد بن أوس رضي الله عنه وقولهم أرمت بفتح الهمزة والراء أصله أرممت من أرم كأحب إذا صار رميمافحذف إحدى الميمين كمافي ظَلت. وفيه وجوه أخر[2].

حیات کی دلیل ۵

اوران دلائل میں سے (پانچویں دلیل) رسول اللہ ﷺ کا (یہ) ارشاد ہے کہ بے شک تمہارے دنوں میں افضل ترین دن جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن وفات پائی، اسی میں صور پھونکا جائے گا، اسی میں بیہوشی ہوگی تو تم مجھ پر اس دن درود زیادہ پڑھو۔ اس لئے کہ تمہارا درود میرے (روح اور جسم کے) اوپر پیش کیا جائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ آپ (کے روح اور جسم دونوں کے مجموعے) پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا۔ حالانکہ آپ (روح کے جسم میں عدم مشاہدہ کی بناء پر بظاہر صرف جسم میں منحصر ہوکر) بوسیدہ ہو چکے ہوں گے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھانا حرام کر دیا ہے۔ بقول اردبیلی رحمۃ اللہ علیہ اس کو ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے بسند صحیح شداد بن اوس سے روایت کیا ہے۔ صحابہ کا قول أَرَمْتَ ہمزہ اور را کے فتح کے ساتھ اصل میں أَرَمَّ (أَحَبَّ کی طرح ماضی از باب إفعال) سے أَرْمَمْتَ بمعنی إذا صارَ رَمِیْمًا ہے تو دومیموں میں سے ایک حذف کیا گیا۔ جیسا کہ ظَلْتَ میں ہے اور اس میں دیگر صورتیں بھی ہیں۔

وذكر في الجوهر المنظم[3] أن في رواية أخرى ورجالها ثقات إلا أنها منقطعة: "إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء فنبي الله حي يرزق" أي من المعارف الربانية والكرامات الرحمانية مايليق بعلي مقامه ولكونه غذاء لروحه الشريفة عبر عنه بالرزق. انتهى

اور الجوہر المنظم میں مذکور ہے کہ ایک دوسری روایت جس کے رجال تو ثقہ ہیں مگر وہ منقطع ہے، کے الفاظ یہ ہیں: "بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھانا حرام کر دیا ہے۔ اس لئے اللہ کا نبی زندہ ہے۔ اسے رزق ملتا ہے۔ یعنی اسے وہ خدائی معرفتیں اور اعزازات عطاء کئے جاتے ہیں جو اس کے بلند مقام کے لائق ہیں۔ چونکہ یہ چیزیں نبی کی روح مبارک کی غذا ہیں۔ اس وجہ سے ان کو رزق کے لفظ سے تعبیر کیا۔ (انتہیٰ) (انبیاء کے لئے حیات اس حدیث سے اور شہداء کے لئے قرآن سے ثابت ہے۔ پس نفس حیات میں دونوں برابر ہیں)

وأما الثاني وهو أنه ثبت للأنبياء من خصوصيات الحياة ما لم يثبت للشهداء فمن أدلته هذا الحديث بعينه. ووجه الاستدلال به عليه أن الصحابة فهموا أنه ﷺ يريد العرض على جسده وروحه بعد الانتقال من دار الفناء، وزعموا أن جسده الشريف كأجساد من عداه في قبول التغير والتأثر والبلى فاستبعدوه فسألوا فقالوا كيف تعرض الصلاة على جسدك وروحك في الوقت الذي قد صرت رميما قبل

---

[1] خرجه ابن ماجه بطريق أبي بكر بن أبي شيبة إلى شداد بن أوس راجع باب فضل يوم القيامة من سنن ابن ماجه ص ٧٦ طبع أصح المطابع فما جاء في الأصل "أوس بن أوس" فهو غلط والصحيح شداد بن أوس ولهذا وضعت مكانه. أبو سعيد السندي

[2] كما نقله في حاشية ابن ماجه إن شئت مزيد التحقيق فراجعها في ص ٧٦ طبع أصح المطابع.

[3] من تاليفات الشيخ ابن حجر المكي وقد مر ذكره في حاشيتنا.

ذلك بمقتضى العادة المستمرة في أجساد الأموات فأقرهم على ما فهموا و ردّ عليهم ما زعموا و بيّن أن عدم تغير البنية من لوازم مقام النبوة و أن جسده الشريف لا يبلى و كذا أجساد سائر الأنبياء، فتعرض عليه الصلاة و هو متصف بالحياة إذ العرض لا يكون إلا على حي. فثبت به حياته ﷺ جسما و عدم تغيره، و لم يرد مثل هذا في حق الشهداء.

خصوصیات زندگی کی پہلی دلیل

دوسری بات (کہ اُن کو زندگی کی کچھ ایسی خصوصیات بھی حاصل ہیں جو شہداء کو حاصل نہیں) اور ان (خصوصیات زندگی) کے دلائل میں سے پہلی دلیل بعینہٖ یہی حدیث ہے جو (ابھی) گزری اور اس سے استدلال اس طرح ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھے کہ رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ ہے کہ دنیا سے انتقال کے بعد کہ (درود) میرے جسم اور روح دونوں پر پیش ہوگا اور (پہلے سے یہ بھی) سمجھ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا جسم شریف بوسیدہ ہونے اور قبر کے حالات سے متأثر ہونے میں دیگر لوگوں کی طرح ہے اسی لئے اس (درود کے جسم اور روح دونوں پر پیش ہونے) کو بعید سمجھ کر سوال کرنے لگے کہ: آپ کے جسم اور روح دونوں پر درود اس وقت کیسے پیش ہوسکتا ہے جب کہ آپ (روح کے جسم میں عدم مشاہدہ کی بناء پر بظاہر صرف جسم میں منحصر ہوکر اور) اموات کے اجسام میں (بوسیدگی کے) قانون طبعی کے ماتحت آکر اس (عرض درود) سے پہلے ہی بوسیدہ ہو چکے ہوں گے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس خیال کی توثیق کی (کہ درود جسم اور روح دونوں پر پیش ہوگا) لیکن ان کا (یہ) زعم (کہ آپ کا جسم بوسیدہ ہونے میں دیگر اجسام کی طرح ہے) رد فرمایا اور یہ واضح کیا کہ ان کے جسم کا بوسیدہ نہ ہونا مرتبہء نبوت کے لئے امر لازم ہے اور (نیز) آپ کے جسم مبارک کی طرح (دیگر) تمام انبیاء علیہم السلام کے اجسام (بھی) بوسیدہ نہیں ہوتے۔ لہٰذا آپ پر درود اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ آپ زندہ ہوں گے۔ کیونکہ درود زندہ پر ہی پیش ہوسکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس (حدیث) سے رسول اللہ ﷺ کا جسمانی طور زندہ ہونا اور بوسیدہ نہ ہونا ثابت ہوا اور ایسی خصوصیت شہداء کے حق میں منقول نہیں ہے۔

و في الجوهر المنظم: إن حياة الأنبياء فوق حياة الشهداء لأنهم بها أولى و أحرى، و التفاوت فيها بمعنى التفاوت في ثمراتها غير بعيد فتأمله. انتهى!

اور الجوہر المنظم میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے (نفس حیات میں) بڑھ کر ہے۔ اس لئے کہ وہ اس کے زیادہ لائق اور حقدار ہیں اور (اگر دونوں کی) حیات میں فرق کا مطلب (صرف) فوائد اور ثمرات کے فرق کی صورت میں ہو (جیسے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات کا ایک ثمرہ یہ ہے کہ ان کی ازواج مطہرات سے ان کی وفات کے بعد کوئی نکاح نہیں کرسکتا۔ جب کہ شہداء کی حیات کا یہ ثمرہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کی ازواج سے نکاح جائز ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی حیات کا ایک ثمرہ یہ ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کا ترکہ ان کے ورثاء میں تقسیم نہیں ہو سکتا۔ جب کہ شہداء کی حیات کا یہ ثمرہ نہیں ہے بلکہ ان کا ترکہ ان کے ورثاء میں تقسیم ہونا ضروری ہے اور نفس حیات میں نہ ہو) تو یہ (بھی) بعید نہیں ہے، سوچیں۔ (انتہیٰ)

أقول و من جملة اللوازم عدم تغير أجسادهم و أنهم يصلون بأجسادهم لحديث ظاهر الدلالة عليه و هذا معنى قول بعض العلماء إن حياتهم في القبور كحياتهم في الدنيا بل أكمل لأنه حصل لهم من التمكن من مشاهدة بعض التجليات مالم يكن قبل لا أنه تعالى ردهم إلى الدنيا و أحياهم بعد الإماتة كما أحيا الذين خرجوا من ديارهم و هم ألوف بعد ما أماتهم إذ لو كانت كذلك لكان تخييره ﷺ بين الدنيا و ما عندالله و اختياره ما عندالله و أن يكون مع الرفيق الأعلى ضائعا و لعادت جميع التكاليف الشرعية إليهم . و لما طلبت فاطمة إرثها من أبيها ﷺ ـ و لما وافقها علي رضی اللہ عنہ في ذلك و لأجاب به أبو بكر الصديق رضی اللہ عنہ عما جرى هنالك و هم أعرف بحياة النبي ﷺ و أحواله الشريفة في عالم البرزخ.

میں (مصنف) کہتا ہوں اور ان کے اجسام کا متغیر نہ ہونا اور ان کا اپنے اجسام کے ساتھ نماز پڑھنا، مجموعہ خصوصیات میں سے ہی ہے۔ اس لئے کہ حدیث کا ظاہر اس پر دلیل ہے (کہ یہ چیزیں روح کے جسم میں عدم مشاہدہ کے باوجود واقع ہیں۔ اگر روح کے جسم میں مشاہدہ کے ساتھ واقع ہوتیں تو اس میں انبیاء کی تخصیص کا کوئی مطلب ہی نہ ہوتا، کیونکہ اس صورت میں اجسام کا متغیر نہ ہونا اور اجسام کے ساتھ نماز پڑھنا طبعی ہوتا اور اس کو بیان فرمانے کی ضرورت ہی نہ تھی) اور بعض علماء کا یہ کہنا کہ: بے شک ان کی حیات قبور میں ان کی دنیاوی حیات کی طرح ہے بلکہ اس سے اکمل ہے اس لئے کہ ان کو بعض تجلیات کے مشاہدہ کی وہ قدرت حاصل ہے جو اس سے پہلے نہیں تھی، کا بھی یہی مطلب ہے (کہ ان کے اجسام کا متغیر نہ ہونا اور اپنے اجسام کے ساتھ نماز پڑھنا روح کے جسم میں عدم مشاہدہ کے باوجود واقع ہے)

یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دینے کے بعد زندہ کر کے دنیا میں واپس بھیجا۔ جیسا ان لوگوں کو موت دینے کے بعد زندہ کیا جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے، اس لئے کہ اگر وہ (حیات انبیاء ان لوگوں کی) اس (دنیاوی زندگی کی) طرح (روح کے جسم میں مشاہدہ کے ساتھ) ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کو (دو چیزوں) دنیا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے (میں سے ایک کا) اختیار دینا اور پھر رسول اللہ ﷺ کا جو اللہ کے پاس ہے اس کو اختیار کرنا اور رفیق اعلیٰ کے ساتھ ہونا فضول ہوتا اور تمام احکام شرعیہ ان کی طرف لوٹ آتے، اور (اگر وہ زندگی ان لوگوں کی زندگی طرح روح کے جسم میں مشاہدہ کے ساتھ ہوتی تو) نہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد ﷺ کی میراث میں اپنے حصہ کا مطالبہ کرتیں، نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میں ان کی ہمنوائی کرتے۔ (بالفرض وہ مطالبہ بھی کرتیں) اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس مباحثے کے جواب میں یہی چیز ذکر کرتے (کہ رسول اللہ ﷺ تو دنیوی زندہ کی طرح ہیں۔ میراث کا مطالبہ تو وفات کے بعد ہوتا ہے، ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ حالانکہ یہ حضرات عالم برزخ (قبر) میں رسول اللہ ﷺ کی حیات اور (وہاں) آپ کے مبارک حالات سے اچھی طرح واقف تھے۔ (لہٰذا اگر وہ زندگی روح کے جسم میں مشاہدہ کے ساتھ ہوتی تو وہ ان باتوں کا ضرور ذکر کرتے)

و قولنا من جملة اللوازم للإشارة إلى أن عدم تغير الجسد قد يقع لبعض الشهداء و الأولياء لمزيد الكرامات كما ذكره في مناقبه صاحب دلائل الخيرات رحمه الله تعالى فحياتهم حياة حقيقية إلا إنها ليس مما يدركه الحواس العامة.

اور ہمارا (یہ) کہنا کہ انبیاء کے اجسام کا عدم تغیر مجموعہ خصوصیات میں سے ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جسم کا عدم تغیر کبھی بعض شہداء اور اولیاء کو بھی حاصل ہوتا ہے (لیکن) ان کے زیادہ معزز ہونے کی وجہ سے (نہ کہ ان کی خصوصیت ہونے کی وجہ سے، تبھی تو ہر شہید اور ولی کو حاصل نہیں ہوتا) جیسا کہ صاحب دلائل الخیرات نے اپنی مناقب (نامی کتاب) میں ذکر کیا ہے۔

(اس دلیل کے ضمن میں کی گئی ساری بحث کا) خلاصہ یہ ہے کہ ان کی حیات تو حقیقی ہے لیکن اس کا ادراک عام ذرائع سے نہیں ہوسکتا۔ (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کا مشاہدہ کرادے تو یہ اور بات ہے)

ونص صاحب الهداية والكافي من أيمتنا الحنفية أن أجسادهم الان كيوم دفنوا ولم يقل أحد منهم أن أجسادهم الآن كما كانت أولا في الدنيا قبل الموت وكذا الحافظ السيوطي مع جلالة قدره وتشرفه برؤيتهﷺ وسلم يقظة على ما أفادنا بعض الثقات، نص في أنموذج اللبيب[1] إنه لايجوز للمضطر أكل ميتة نبي، وهو حي في قبره.

اور ہمارے حنفی ائمہ کرام میں سے صاحب ہدایہ اور صاحب کافی نے تصریح کی ہے کہ ان (انبیاء علیہم السلام) کے اجسام ابھی (موجودہ وقت میں عدم تغیر کے لحاظ سے) اسی دن کی طرح ہیں جس دن دفن کئے گئے تھے اور ان حضرات میں سے کسی نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کے موجودہ اجسام (روح کے جسم میں مشاہدہ کے لحاظ سے) ویسے ہی ہیں۔ جیسے دنیا میں موت سے پہلے تھے (یعنی ان کے نزدیک بھی ان کے جسم کا عدم تغیر، قانون طبعی کے تحت نہیں اس لئے ان میں حیات کا مشاہدہ نہیں ہوسکتا) اور ایسے ہی حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے بلند مرتبے اور بقول بعض ثقات رسول اللہﷺ کی زیارت سے بحالت بیداری مشرف ہونے کے باوجود اپنی کتاب اُنموذج اللبیب فی خصائص الحبیبﷺ میں تصریح کی ہے کہ ولایجوز للمضطر أكل ميتة نبي، وهو حي في قبره يصلي" (کئی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ) مضطر کے لئے جائز نہیں کہ وہ (حالت اضطراری جس میں مردہ کھانا حلال ہوتا ہے) کسی نبی کی نعش کو کھائے اور (دوسری خصوصیت یہ ہے کہ) وہ اپنی قبر میں زندہ ہوتا ہے، نماز پڑھتا ہے (نبی کے زندہ ہونے اور نماز پڑھنے کی تصریح کر کے یہ تو واضح کیا کہ اس کی حیات حقیقی ہے لیکن اس کے باوجود اس کے جسم کو نعش کہہ کر یہ بھی واضح کر دیا کہ اس زندگی کا مشاہدہ نہیں ہوسکتا)

---

[1] اسم هذا الكتاب أنموذج اللبيب في خصائص الحبيب تاليف جلال الدين عبدالرحمن بن أبي بكر السيوطي المتوفى سنة ۹۱۱ إحدى عشر وتسع مأة هجرية, أوله: الحمد لله الذي أتقن بحكمته كل شيء إلخ ذكر فيها أنه لخصه من كتابه الكبير في الخصائص وجعله على بابين الأول في التي اختص بها عليه الصلاة والسلام عن جميع الأنبياء والثاني في التي اختص بها عن أمته وعليه شرحان لعبدالرؤف بن تاج الدين بن علي الحدادي المناوي المتوفى سنة ۱۰۳۱ھ إحدى وثلاثين وألف الأول سماه فتح الرؤف المجعب وهو صغير والثاني سماه توضيح فتح الرؤف المجيب وهو كبير ونظمه الفاضل الأريب أبو النجاح أحمد المتيني راجع كشف الظنون ج ۱ ص ۱۶۱ طبع القديم.

ومنها قوله ﷺ التقى آدم وموسى علیہما السلام فقال موسى لآدم أنت الذى أشقيت الناس وأخرجتهم من الجنة قال له آدم أنت الذى اصطفاك الله برسالته واصطفاك لنفسه وأنزل عليك التوراة قال نعم قال فوجدتها كتبت على قبل أن يخلقنى قال نعم فحج آدم موسى خرجه أصحاب الأصول إلا النسائى، واللفظ المذكور للبخارى وفى أخرى فحاج آدم موسىٰ[1].

خصوصیات زندگی کی دوسری دلیل

اور ان (خصوصیات زندگی کے) دلائل میں سے (دوسری دلیل یہ ہے) کہ آدم اور موسیٰ علیہما السلام کی ملاقات ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہی نے لوگوں کو جنت سے نکال کر مصیبت میں ڈالا تو آدم علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ (کیا) آپ وہی ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کے لئے چنا اور اپنی ہم کلامی کے لئے منتخب فرمایا اور آپ پر تورات نازل کی؟ فرمایا: جی ہاں آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ (کیا) آپ نے اس (تورات) میں (لکھا ہوا) پایا تھا کہ اللہ تعالیٰ وہ بات مجھ پر میری پیدائش سے پہلے لکھ چکے تھے۔ (کیونکہ تورات آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چالیس سال پہلے لکھی گئی تھی؟ (کما فی صحیح مسلم، باب حجاج آدم وموسیٰ علیہما السلام) موسیٰ علیہ السلام نے کہا جی ہاں آپ ﷺ نے (اس مناظرے پر تبصرہ) فرمایا کہ بالآخر آدم موسیٰ (علیہما السلام) پر غالب آ گئے۔ اس حدیث کو نسائی کے سواء باقی اصحاب اصول نے نقل کیا ہے اور یہ الفاظ بخاری شریف کے ہیں اور دوسری روایت میں حَجَّ (ثلاثی مجرد) کی بجائے ''حَاجَّ'' (مزید فیہ سے) ہے۔

وفى شرح المصابيح للأردبيلى قال بعض الشارحين: أراد أرواحهما وقال بعضهم أراد أرواحهما وأجسادهما وهو الأصح لأن الإنسان عبارة عن الجسم والروح أو الجسم فقط على المذهب الصحيح وقال النظام من المعتزلة: الإنسان هو الروح وإن أحدا ما رأى إنسانا قط وإنما رأى قالبه ويلزم من ذلك أن أحدا من الصحابة لم ير محمدا ﷺ۔

اور اردبیلی رحمہ اللہ کی مصابیح کی شرح میں ہے کہ بعض شارحین نے کہا: آپ ﷺ نے (مذکورہ حدیث میں) ان دونوں (آدم اور موسیٰ علیہما السلام) کی صرف ارواح (کا مناظرہ) مراد لیا ہے اور بعض نے فرمایا کہ ان دونوں کی ارواح اور اجسام (دونوں کا مناظرہ) مراد لیا ہے اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ انسان بمطابق مذہب صحیح (یا تو) جسم اور روح دونوں (کے مجموعے) کا نام ہے یا فقط جسم کا نام ہے اور (بعض شارحین نے جو آدم اور موسیٰ علیہما السلام کی تشریح صرف ارواح سے کی ہے، اس کی بنیاد نظام معتزلی کا مذہب ہے اس لئے کہ) نظام معتزلی کا کہنا ہے کہ انسان صرف روح کا نام ہے اور کسی نے انسان کو نہیں دیکھا صرف اس کے ڈھانچے کو دیکھا ہے (مصنف فرماتے ہیں کہ) اس (مذہب کو ماننے) سے تو لازم آئے گا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی آپ ﷺ کو نہیں دیکھا (جس کا غلط ہونا ظاہر ہے اور اس سے نظام کے مذہب کی غلطی بھی واضح ہو جاتی ہے)

---

[1] قلت إن الإمام البخارى عقد بابا تحاج آدم وموسى عند الله تعالى أورد فيه حديثا لفظه غير لفظ هذا الحديث لعله يكون فى موضع اخر (قلت نعم هو فى موضع أخر انظر كتاب التفسير تحت تفسير قوله تعالى واصطنعتك لنفسى من سورة طه. (أبو عبيدة السندى). خرجه مسلم عن أبى هريرة وهو حديث طويل راجع مشكاة المصابيح باب الإيمان بالقدر أبو سعيد السندى.

وأما ما قاله الرازی فی المعالم[1]: الصحیح أن الإنسان لیس عبارة عن هذه الجثة المحسوسة فلیس بصحیح بل ضعیف مرجوح أو مؤول بأنه أراد معناه الحقیقی لیس بمنحصر فی الجثة فقط بل هو حقیقة فی المرکب من الروح والجسد أیضا وذلك لأنه لایسبق الذهن من إطلاقه إلا إلی الجسد أو المرکب منه ومن الروح ولایفهم منه الروح المجرد إلا بقرینة وهو من أمارات الحقیقة ولما قال الفقهاء: إذا قال لامرأته إن رأیت فلانا فأنت طالق فرأته میتا طلقت انتهی.

اور باقی امام رازی رحمہ اللہ نے معالم میں جولکھا ہے کہ: ''صحیح یہ ہے کہ انسان اس جثہ محسوسہ کا نام نہیں ہے۔'' (اوراس سے نظام معتزلی کے مذہب کی تائید ایک اہلسنت عالم کے قول سے ثابت ہوتی ہے تواس کا جواب) یہ (ہے کہ یہ قول خود) صحیح نہیں بلکہ ضعیف نا قابل قبول ہے (تو اس سے تائید کیسے ہوسکتی ہے) یا اس کا مطلب امام رازی رحمہ اللہ کے ہاں یہ ہو کہ انسان کا حقیقی معنیٰ فقط جثہ محسوسہ میں منحصر نہیں ہے بلکہ وہ روح اور جسم (دونوں) سے مرکب میں بھی حقیقت ہے (تو پھر قابل قبول ہے لیکن اس سے نظام معتزلی کے مذہب کی تائید ثابت نہیں ہوسکتی) اور یہ (انسان کی صحیح تعریف جسم اور روح دونوں (کے مجموعے) کوقرار دینا دو وجہ سے ہے ایک تو) اس لئے ہے کہ جب (لفظ) انسان بولا جائے تو اس سے ذہن میں یا تو صرف جسم آتا ہے یا جسم اور روح دونوں آتے ہیں اور اس سے صرف روح بغیر قرینے کے کبھی سمجھا ہی نہیں جاتا اور یہ اس بات کی نشانی ہے کہ انسان کا روح اور جسم والا معنی حقیقت ہے اور (دوسرا) اس لئے کہ فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے اگر تو نے فلاں (انسان) کو دیکھا تو تجھے طلاق ہے۔ پھر بیوی نے اس شخص کی لاش کو دیکھا تو اس کو طلاق ہو جائے گی (اور یہ اس بات کی نشانی ہے کہ انسان کا صرف جسم والا معنی بھی حقیقت ہے) (انتہیٰ)

أقول: یمکن أن یحتج له بما قدمناه من فهم الصحابة وتقریره ﷺ إیاهم علیه.

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ اس (دعوی کے ایک جزء کہ انسان جسم اور روح دونوں کے مجموعے کا نام ہے، پر تیسری دلیل) صحابہ رضی اللہ عنہم کے (آپ ﷺ کے ''میرے'' والے لفظ سے جسم اور روح دونوں کے مجموعہ کو) سمجھنے اور آپ ﷺ کے ان کو اس سمجھ پر برقرار رکھنے کو بنایا جائے جسے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ (بہر حال جب دلائل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ انسان یا تو جسم اور روح دونوں کے مجموعے کا نام ہے یا فقط جسم کا نام ہے تو اب پہلی صورت میں تو ان کی جسمانی حیات بالکل واضح ہے۔ دوسری صورت میں بھی جسمانی حیات یوں ثابت ہوگی کہ وہ جسم اسی وقت ملاقات کر سکتے ہیں جب وہ زندہ ہوں۔ اب یہ جسمانی حیات والی خصوصیت صرف انبیاء کے لئے ثابت ہے، شہداء کے حق میں ثابت نہیں ہے)

ومنها قوله ﷺ إن الله ملائكة سیاحین یبلغوننی عن أمتی السلام رواه النسائی وغیره وهو یدل علی حیاة الجسم وسلامته بعین ما أسلفناه.

---

[1] قلت المعالم اسم کتابین من تالیف الإمام فخر الدین الرازی أحدهما کتاب المعالم فی أصول الفقه والثانی کتاب المعالم فی أصول الدین والمراد منه هنا الثانی راجع مقدمة التفسیر الکبیر طبع البهیة المصریة.

خصوصیاتِ زندگی کی تیسری دلیل

اوران (خصوصیات زندگی کے) دلائل میں سے (تیسری دلیل یہ) ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے گھومنے پھرنے والے فرشتے (بھی) ہیں جو مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔ رواہ النسائی وغیرہ اور یہ حدیث بعینہٖ اسی طرح جیسے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں (کہ انسان یا تو جسم اور روح دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ اس صورت میں تو رسول اللہ ﷺ کی جسمانی حیات بالکل واضح ہے یا فقط جسم کا نام ہے اس صورت میں بھی رسول اللہ ﷺ کی جسمانی حیات یوں ثابت ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ کے جسم پر امت کا سلام اسی وقت پہنچایا جاسکتا ہے جب وہ زندہ ہوں، اب یہ (حدیث) اس بات پر دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا جسم زندہ اور سالم ہے (اور یہ خصوصیت صرف انبیاء کے لئے ثابت ہے، شہداء کے حق میں ثابت نہیں ہے)

قال فی الخلاصة معزوا إلی ابن تیمیة: هذا فی حق الغائب وأما من یسلم علیه عند قبره فیسمع هو ﷺ سلامه عالما لحضوره فیا سعادة من وقف بین یدیه وصلی وسلم علیه وقوبل بالقبول من لدیه ﷺ واختاره فی الجوهر المنظم وفیه أیضا أنه وقع فی بعض الروایات أنه إذا صلّی وسلّم علیه عند قبره یبلغه الملك أیضا فیجمع بینه وبین ما تقدم بأن الملك یبلغه صلاته وسلامه مع سماعه لهما.

خلاصہ: (خلاصة الوفا باخبار دار المصطفیٰ للسمهودی) میں ابن تیمیہ ؒ کی طرف[1] منسوب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ (اس حدیث میں) یہ (ملائکہ کے سلام پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ) غائب کا سلام پہنچاتے ہیں۔ باقی جو آدمی آپ کی قبر کے پاس آ کر رسول اللہ ﷺ پر سلام کہتا ہے تو اس کو (ملائکہ نہیں پہنچاتے بلکہ) رسول اللہ ﷺ خود اسے اس حال میں سنتے ہیں کہ اس کی حاضری کو (بھی) جانتے ہیں۔ (مصنف فرماتے ہیں) اُس شخص کی سعادت کا کیا ہی کہنا جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو اور رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ وسلام پیش کرے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اسے شرف قبولیت عطاء کیا جائے اور ''الجوهر المنظم'' میں اسی (ابن تیمیہ کی دور اور قریب میں فرق والی شرح) کو اختیار کیا ہے۔ نیز اسی (الجوہر المنظم) میں یہ بھی (لکھا) ہے کہ بعض روایات میں یہ بات منقول ہے کہ جب صلاۃ وسلام رسول اللہ ﷺ پر رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس پڑھا جائے تب بھی اس کو فرشتہ پہنچاتا ہے تو اس روایت اور سابقہ (تشریح جس کی بنیاد ایک) روایت (ہے) میں یوں تطبیق ہوگی کہ فرشتہ بھی (قبر کے پاس والے کا) صلاۃ وسلام پہنچاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ بلا واسطہ فرشتہ خود بھی اس کو سنتے ہیں۔

وأفتی النووی فیمن حلف بالطلاق بالثلث إن رسول اللہ ﷺ یسمع الصلاة علیه هل یحنث بأنه لا نحکم علیه بالحنث للشك فی ذلك. والورع أن یلتزم الحنث وعلم من بعضها أنه ﷺ یرد علی من سلم علیه سواء زائره وغیره قال ابن عساکر: إذا جاز رده ﷺ علی من سلم علیه من الزائرین لقبره جاز رده علی من

[1] یاد رہے کہ مذکورہ کتاب میں اس حدیث کے تحت ابن تیمیہ کا کوئی کلام منقول نہیں ہے۔ شاید مصنف علام کو اشتباہ ہوا ہے۔ واللہ اعلم!

يسلم عليه من جميع الآفاق من جميع أمته على بعد شقته انتهى ما في الجوهر[۱]

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے قسم اُٹھائی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اوپر پڑھے گئے سلام کو سنتے ہیں تو میری بیوی کو تین طلاق، کیا اس کی بیوی کو تین طلاقیں ہوں گی؟ تو فتویٰ دیا کہ ہم اس کی بیوی پر طلاق کا حکم نہیں لگائیں گے اس لئے کہ (رسول اللہ ﷺ کے سلام سننے میں اس حدیث کی بناء پر کہ قریب کی صورت میں بھی فرشتہ پہنچاتا ہے) شک ہے اور احتیاط اس میں ہے کہ وہ اپنی بیوی کو مطلقہ سمجھے۔ (رسول اللہ ﷺ کے سلام سننے میں تو قریب اور دور کا فرق تھا) اور (جواب دینے میں قریب اور دور کا کوئی فرق نہیں ہے۔

۱؎ المراد منه الجوهر المنظم للحافظ السيوطي وقد مر ذكره في الحاشية. (قلت هذا عجيب فإنه صرح غير مرة في ما سبق بأنه لابن حجر المكي. أبو عبيدة السندي) قال ابن حجر الهيتمي في فتاواه سئل رحمه الله عن حديث أحمد وأبي داود والبيهقي: ما من أحد يسلم علي إلا رد الله إلي، ما الجواب عنه مع الإجماع على حياة الأنبياء كما تواترت به الأخبار وهل على تفسير الروح بالنطق الذي قيل فيه إنه أحسن الأجوبة اعتراض؟ أن قوله رد الله على جملة حالية فيقدر فيها قد على القاعدة في وقوع الماضي حالاً فيكون الرد سابقاً على السلام الواقع من كل أحد وحتى ليست تعليلية بل عاطفة، والتقدير: ما من أحد يسلم علي إلا قد رد الله علي روحي قبل ذلك وأرد عليه، وقد صرح بقد في رواية البيهقي فمراد الحديث الإخبار بأن الله تعالى يرد إليه روحه بعد الموت فيصير حياً على الدوام حتى لو سلم عليه أحد رد عليه لوجود الحياة فيه دائماً، وإنما جاء الإشكال من ظن أن حتى تعليلية وجملة رد بمعنى الحال أو الاستقبال الذي يلزم عليه تكرر الرد عند تكرر السلام عليه، ويلزم من تكرار الرد تكرار المفارقة الموجب لنوع ألم والمخالفة للفظ القرآن أنه ليس إلا موتتان أو لفظ الرد ليس للمفارقة بل كناية عن مطلق الصيرورة كما في إن عدنا في ملتكم أي صرنا لاستحالة الكفر على الأنبياء أو ليس المراد برد الروح عودها بعد مفارقة البدن، وإنما هو مشغول في البرزخ بأحوال الملكوت مستغرق في شهود ربه فعبر عن إفاقته من ذلك بالرد ونظيره جوابهم عما وقع في بعض أحاديث الإسراء فاستيقظت وأنا بالمسجد الحرام فإنه ليس المراد الاستيقاظ من نوم لأن الإسراء لم يكن مناماً بل الإفاقة مما خامره من عجائب الملكوت أو الرد يستلزم الاستمرار إذ لا يخلو من مسلم عليه في أقطار الأرض أو المراد بالروح هنا النطق مجازاً أو لا يلزم من حياته على الدوام نطقه وعلاقة المجاز استلزام النطق للروح وعكسه بالفعل أو القوة فعبر بأحد المتلازمين عن الآخر، واعترض بأن ظاهره أنه مع كونه حياً يمنع عنه النطق في بعض الأوقات ويرد عليه عند سلام المسلم وهو مخالف للنقل لما في الأخبار أن كل مؤمن في قبره ينطق بما شاء لما ورد أنه لا يمنع النطق في قبره إلا من مات عن غير وصية وللعقل، لأن الحصر عن النطق وإن قل زمنه نوع حصر وهو مبرأ عن ذلك، وأجيب بأن المراد بالرد الاستمرار من غير مفارقة فالمجاز في لفظ الرد والروح فالأول استعارة تبعية، والثاني مجاز مرسل أو المراد بالروح السمع الخارق للعادة بحيث يسمع المسلم عليه من غير واسطة وإن بعد أو الموافق للعادة ويكون المراد برده إفاقته من الاستغراق الملكوتي أو المراد بالروح الفراغ من الشغل مما هو بصدده في البرزخ من النظر في أعمال أمته والاستغفار لمسيئهم والدعاء بكشف البلاء عنهم والتردد في أقطار الأرض بحلول البركة فيها أو حضور جنازة صالحي أمته كما وردت بذلك الأحاديث والأخبار فلما كان السلام عليه من أجل الأعمال خص المسلم عليه بأن يفرغ له من أشغاله المهمة لحظة يرد عليه فيها تشريفاً له ومجازاة، أو المراد بالروح الارتياح أو الرحمة على حد قراءة فروح وريحان بضم الراء، أي يحصل له بسلام المسلم عليه ارتياح وفرحة لحبه لذلك من أمته أو منه رحمة له فيحمله ذلك على أن يرد عليه رداً مخصوصاً.

اس کی منقول دلیل کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ) بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہﷺ ہر سلام کہنے والے کو جواب دیتے ہیں، چاہے وہ قریب آکر سلام کر رہا ہو یا دور سے (اور اس کی معقول دلیل دیتے ہوئے) ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب رسول اللہﷺ کے لئے اپنی قبر کی زیارت کے لئے آنے والے کے سلام کا جواب دینا ممکن ہے تو رسول اللہﷺ کا پوری امت میں سے ہر اس شخص کے سلام کا جواب دینا بھی ممکن ہے جو دوری کے باوجود اطراف عالم سے رسول اللہﷺ کو سلام پیش کرتا ہے۔ (انتہیٰ ما فی الجوہر) اور (مصنف ہر سلام کے جواب کی دلیل معقول و منقول ذکر کرنے کے بعد اسپر ایک اشکال و جواب ذکر کرتے ہیں کہ)

وقال في المواهب: ولقد أحسن من سئل كيف يرد النبيﷺ على من يسلم عليه في مشارق الأرض ومغاربها مع كثرتها في أوان واحد فأنشد لأبي طيب:

كالشمس في وسط السماء ونورها يغشى البلاد مشارقا ومغاربا

مواہب میں فرمایا: ایک آدمی سے پوچھا گیا کہ ایک ہی وقت میں رسول اللہﷺ زمین کے مشارق اور مغارب میں صلاۃ وسلام پڑھنے والوں کی کثرت کے باوجود ان کے سلام کا جواب کیسے دے سکتے ہیں؟ تو اس نے ابوالطیب کا یہ شعر پڑھ کر (بصورت شعر) یقیناً اچھا جواب دیا ہے:

كالشمس في وسط السماء ونورها يغشى البلاد مشارقا ومغاربا

جیسے سورج آسمان کے بیچ میں ہوتا ہے اور اس کی روشنی مشرق میں اور مغرب میں چھا رہی ہوتی ہے۔ (یعنی جب حسی سورج ایک وقت میں مشرق اور مغرب کو اپنی روشنی سے منور کر سکتا ہے تو معنوی سورج تو بطریق اولی ایک وقت میں مشرق اور مغرب سے صلاۃ وسلام پڑھنے والوں کی کثرت کے باوجود ان کے سلام کا جواب دے سکتے ہیں)

ومنها قولهﷺ ما من مسلم يسلّم عليّ[1] إلا رد الله على روحي حتى أرد عليه خرجه أبو داؤد واحتج به البيهقي وغيره على حياتهﷺ.

خصوصیاتِ زندگی کی چوتھی دلیل

اور ان (خصوصیات زندگی کے) دلائل میں سے (چوتھی اور آخری دلیل) رسول اللہﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جو کوئی بھی میرے اوپر (میرے انتقال کے بعد سب سے پہلے) سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے پہلے ہی میری روح کو میرے طرف لوٹا چکے ہوں گے۔ اس لئے میں اس کا جواب دے دوں گا۔ اس کو ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور اس سے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے رسول اللہﷺ کی حیات پر استدلال کیا ہے (اب یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ رسول اللہﷺ کا روح رسول اللہﷺ کے جسم میں لوٹا یا جا چکا ہے جس سے رسول اللہﷺ کی جسمانی زندگی اور جسم کی سلامتی ثابت ہوتی ہے اور یہ خصوصیت صرف انبیاء کے لئے ثابت ہے، شہداء کے حق میں ثابت نہیں ہے)

[1] قوله علي بمعنى إلى كما صرح ابن حجر الهيتمي في فتاواه، ويؤيده رواية البيهقي بالي، أبو عبيدة السندي

واعلم أنه قد سبق أفهام طائفة من الأكابر إلی أن هذا الحديث علی وزان قوله ﷺ: ما من يوم يصبح العباد فيه إلا ملكان ينزلان فيه فيقول أحدهما اللهم أعط منفقا خلفا، ويقول الآخر اللهم أعط ممسكا تلفا. خرجه البخاري عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ ورأی أنه بظاهره يدل علی أن رد الروح عليه يكون عند سلام كل مسلم، ويقتضي ذلك تخلل أوقات ينقطع فيها الروح عن الجسم وأنها موتات متعددة، وقد قال الصديق رضی اللہ عنہ لا يجمع الله عليك الموتتين أما الموتة التي كتبت عليك فقد متها وسيجيئ ما يتعلق به إن شاء الله تعالی.

آپ جان لیں کہ اکابرین کی ایک جماعت کے ذہن اس طرف گئے ہیں کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے (اس) ارشاد کی ہم وزن اور ہم پلہ ہے۔ ہر دن صبح کو دو فرشتے اترتے ہیں ایک فرشتہ کہتا ہے یا اللہ (تیری راہ میں) خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما! اور دوسرا فرشتہ کہتا ہے یا اللہ! (تیری راہ میں) خرچ نہ کرنے والے کے مال کو ہلاک کردے۔ (لہٰذا مذکورہ حدیث کا مطلب یوں لیا، میرے اوپر ہر سلام کرنے والے کے سلام کے وقت اللہ تعالیٰ میری روح کو میرے طرف لوٹا دیں گے تاکہ میں اس کو جواب دے سکوں۔ یعنی جیسے اس حدیث میں تکرار صبح سے تکرار نزول فرشتہ ثابت ہوتا ہے، ایسے ہی اس حدیث میں تکرار سلام سے تکرار رد روح ثابت ہوتا ہے) اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور سمجھا کہ یہ حدیث اپنے ظاہری الفاظ سے اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر ہر مسلمان کے سلام کے وقت روح لوٹائے جانے کا تکرار ہوگا اور اس (حدیث کے ظاہری مدلول) کا تقاضا ہے کہ بہت سے اوقات میں روح جسم سے الگ ہوجاتی ہے (اور یہی موت ہے) اور (اس صورت میں رسول اللہ ﷺ پر آنے والی) موتیں (ایک نہیں) متعدد ہیں۔ حالانکہ (رسول اللہ ﷺ پر آنے والی موت ایک ہی ہے، اسی کی دلیل دیتے ہوئے) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو موتیں تو دینی نہیں (اور) جو موت رسول اللہ ﷺ پر لکھی جا چکی تھی وہ یقیناً رسول اللہ ﷺ پر آچکی ہے۔ اس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ!

فأجابوا عنه بأجوبة: فمنها ما ذكره في الخلاصة: أنه إنما يدل علی الرد عند سلام أول مسلم، ولم يرد قبضها بعد انتهی. وكأنه أراد أن معناه: ما من أحد يسلم علي أولا إلا رد الله علي روحي.

حیاتِ دائمی کی مخالف روایت کے جوابات

جواب نمبر ۱: (چونکہ ہم وزن اور ہم پلہ قرار دینے والی بات سے اس حدیث کا ظاہری مدلول رسول اللہ ﷺ کی حیات دائمی والے مسلمہ عقیدہ کے خلاف بنتا ہے) تو دیگر علماء نے اس (اعتراض) کے بہت سے جوابات دیئے ہیں اُن میں سے ایک جس کو خلاصہ میں ذکر کیا ہے (اس کی بنیاد اس پر ہے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ یہ حیات دائمی والے مسلمہ عقیدہ کے خلاف ہے وہ اس لئے) کہ (رسول اللہ ﷺ کی یہ) حدیث صرف اتنا بتاتی ہے کہ سب سے پہلے سلام کرنے والے کے سلام کے وقت مجھ پر روح کو لوٹایا جائے گا اور اس (رد روح) کے بعد (دوبارہ) روح نکالا جانا (رسول اللہ ﷺ کی) مراد (ہی) نہیں ہے۔ انتہی! (تو یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی حیات دائمی کے خلاف کیسے ہوئی) گویا کہ اس جواب دینے والی کی مراد میں حدیث کا مطلب صرف یہ ہے کہ: ”کوئی بھی شخص جو مجھ پر سب سے پہلے سلام پیش کرے گا تو (اس کے سلام کے وقت) اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیں گے۔“

ومنها ماذكر القسطلاني في المواهب: إن الحياة لازم لأنه لازم لرد السلام وهو لازم للسلام والسلام دائم لأنه محال أن يخلو الموجود كله ممن يسلم عليه[1] انتهى. ودعوى كونه محالا يحتاج إلى دليل مع أنه بتسليمها أيضا لا يستقيم الكلام المذكور وإنما استقام لو كان وأنا حي عند سلام كل مسلم ونحوه.

جواب نمبر ۲: اوران جوابات میں سے دوسرا جواب جو قسطلانی ؒ نے مواہب میں ذکر کیا ہے کہ (یہ حدیث یہ بتاتی ہے کہ جو کوئی بھی میرے اوپر سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ کا میری طرف) حیات (لوٹانا) لازم ہے (یہ لازم) اس لئے ہے کہ سلام کا جواب لازم ہے اور سلام کے جواب کے لئے سلام لازم ہے اور سلام دائمی ہے اس لئے کہ محال ہے کہ ساری کائنات رسول اللہ ﷺ کو سلام پیش کرنے والے سے خالی ہو۔ انتہیٰ! (نتیجہ یہ کہ حیات دائمی ہے اس لئے کہ وہ لازم (سلام) کے لازم (سلام کا جواب) کا لازم ہے۔ یوں یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی حیات دائمی کے خلاف نہیں ہے) (اس جواب میں یہ خامی ہے کہ سلام کے دائمی ہونے پر جو دلیل کہ ساری کائنات کا سلام پیش کرنے والے سے خالی ہونا محال ہے، ذکر کی ہے وہ بذات خود ایک دعویٰ ہے) اور دعویٰ کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور اگر اس دعویٰ کو (جو بصورت دلیل ہے) تسلیم بھی کریں (اور سلام کو دائمی بھی مان لیں) تو بھی مذکورہ جواب (حدیث کے الفاظ سے میل نہ کھانے کی وجہ سے) صحیح نہیں۔ وہ اسی صورت میں صحیح ہوتا اگر (اس حدیث میں رد اللہ علی روحی کے بجائے) وأنا حي عند سلام كل مسلم کہ میں ہر سلام کرنے والے کے سلام کے وقت زندہ ہوں گا، والے الفاظ ہوتے یا اسی سے ملتے جلتے الفاظ ہوتے۔ (جب مذکورہ الفاظ نہیں تو جواب صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ جواب حدیث کے مذکورہ الفاظ کی روشنی میں صرف دائمی رد روح کو ثابت کرے گا جس سے حیات دائمی ثابت نہیں ہوسکتی، اس لئے وہ اعتراض جوں کا توں باقی ہے)۔

ومنها أن المراد بالروح في قوله رد الله على روحي, النطق أو السماع أو السرور والفرح لأنها ملزومات للحياة.

جواب نمبر ۳: ان جوابات میں سے تیسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان ''رد اللہ علی روحی'' میں روح سے مراد (حیات نہیں ہے بلکہ) یا گویائی ہے یا سننا ہے یا فرحت وسرور ہے (اوران چیزوں میں استمرار ضروری نہیں۔ اب یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی حیات دائمی کے خلاف نہیں ہے) کیونکہ وہ تو روح سے حیات مراد لینے کی صورت میں تھی) اس لئے کہ یہ چیزیں حیات کے ملزومات میں سے ہیں۔

ومنها أن المراد به الملك المؤكل به أو الالتفات إلى عالم الدنيا والإفاقة عن الاستغراق في مشاهدة التجليات الإلهية (كذا في الأصل, والصواب عندي الإفاقة والله أعلم أبو سعيد)

---

[1] أن هذا إعلام بثبوت وصف الحياة دائما لثبوت رد السلام دائما, فوصف الحياة لازم لرد السلام اللازم, واللازم يجب وجوده عند ملزومه أو ملزوم ملزومه, فوصف الحياة ثابت دائما لأن ملزوم ملزومه ثابت دائما, انتهى عبارة القسطلاني في المواهب نصا. أبو عبيدة السندي

جواب نمبر ۴: اوران جوابات میں سے چوتھا جواب یہ ہے کہ روح سے مراد (حیات نہیں ہے بلکہ) فرشتہ ہے جس کی یہ ڈیوٹی ہے کہ سلام پہنچائے یا روح سے مراد رسول اللہ ﷺ کی دنیا کی طرف توجہ اور تجلیات الٰہیہ کے مشاہدہ میں استغراق سے افاقہ ہے۔ (اب یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی حیات دائمی کے خلاف نہیں ہے) کیونکہ وہ تو روح سے حیات مراد لینے کی صورت میں ہوتا تھا)

ولایخفی علیك أیها الفطن أنه إنما أحوجهم إلى هذه التكلفات ما سبق إلى أذهانهم فی معنی الحدیث مما قدمناه. وإن الحدیث إنما وزانه قول القائل ما من أحد یموت علی الایمان إلا خلق الله الجنة حتی یدخله إیاها. والمعنی ما من أحد یسلم علی بعد انتقالی من هذا العالم إلا رد الله علی روحی قبله حین وضعت فی اللحد وجعلنی حیا بحیاة مخصوصة من ذلك الزمان لأرد السلام علیه. وفی المواهب نقلا عن السبکی أنه ﷺ لما وضع فی القبر ردت علیه روحه فی جسده. وسنذکر إن شآء الله تعالی فی آخر هذا العقد من کلام السبکی مایتضح به معنی الرد.

اے سمجھدار! تم پر (یہ بات) مخفی نہیں ہونی چاہئے کہ ان کو یعنی محدثین کرام ان (جوابات کے) تکلفات کی طرف ان کے ذہن میں آنے والے حدیث کے ظاہری مطلب نے ہی مجبور کیا جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ حالانکہ (حدیث کا سرسری اور ظاہری مطلب مراد نہیں بلکہ) یہ حدیث (باعتبار مطلب) قائل کے (اس) قول کے ہم وزن اور ہم پلہ ہے کہ کوئی بھی آدمی ایمان پر مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کو پیدا کر چکے ہیں۔ تا کہ اس کو اس میں داخل کریں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی آدمی جو مجھ پر میرے اس جہان سے انتقال کے بعد سلام کرے گا تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اس سے پہلے ہی میرے اوپر (اس وقت) لوٹا چکے ہوں گے۔ جب میں لحد میں رکھا گیا ہوں گا اور مجھے حیات مخصوصہ کے ساتھ اسی زمانے سے زندہ کر چکے ہوں گے، تا کہ میں اس کو سلام کا جواب دوں اور (حدیث کے اس مطلب کی تائید) مواہب میں منقول سبکی رحمہ اللہ کی اس بات سے ہوتی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو قبر میں رکھا گیا تو رسول اللہ ﷺ کے جسم میں رسول اللہ ﷺ کی روح لوٹا دی گئی اور ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب ہم اس حصہ کے آخر میں سبکی رحمہ اللہ کا کلام ذکر کریں گے جس سے رد کا معنی واضح ہوگا۔

وکلمة حتی بمعنی کی ناصبة لما بعدها إذ هو مستقبل نظرا إلی زمان التکلم ونظرا إلی ما قبله وقوله إلا رد الله خبر المبتدأ والعائد الضمیر الغائب المجرور. ویکون الکلام علی هذا مسوقا لبیان بعض الحکم المرتبة علی رد الروح وللتنصیص علی هذا المعنی عبر عن الرد بصیغة الماضی إذ لو عبر عنه بالمضارع لربما توهم أن رد الروح عقب سلام المسلم، علی أنه یمکن حمله أیضا علی المعنی المتقدم بأن یقال کونه مستقبلا بالنسبة إلی زمان التکلم لا بالنسبة إلی زمان سلام المسلم بل هو بالنسبة إلیه ماض.

اور کلمہ حتّٰی کَیْ کے معنی میں ہوتا ہے تو اپنے مابعد کے لئے ناصب ہے اس لئے کہ یہ (رد سلام اس حدیث کے) بولے جانے کے زمانے اور اپنے ماقبل (رد روح) کے اعتبار سے مستقبل ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ''إلا رَدَّ الله'' مبتداء کی خبر ہے اور (مبتداء کی طرف) عائد (علیہ میں) ضمیر غائب مجرور ہے اور اس (ساری

ترکیب کو اختیار کرنے سے) کلام (اس حدیث کو بیان کرنے) کا مقصد روح کے لوٹائے جانے پر مرتب ہونے والے بعض حکموں (مثلاً جواب سلام وغیرہ) کو بیان کرنا ہوگا اور اسی مقصد پر صراحت کرنے کے لئے روح لوٹائے جانے کو ماضی والے لفظ سے ادا کیا ہے۔ (تاکہ لفظ ہی سے پتہ چل جائے کہ روح جواب سلام سے پہلے ہی لوٹائی جا چکی ہے اور) اس لئے کہ اگر اس کو مضارع والے لفظ سے ادا کرتے تو غالباً یہ وہم ہوسکتا تھا کہ ردروح سلام کرنے والے کے سلام کے بعد ہوگا۔ علاوہ ازیں اس (رد، صیغۂ ماضی) کو گزشتہ (ہمارے بیان کردہ) مطلب پر محمول کرنا بھی ممکن ہے۔ اس طرح کہ کہا جائے کہ یہ (ردروح اس حدیث کے) بولے جانے کے زمانہ کی بہ نسبت مستقبل ہے سلام کرنے والے کے سلام کے زمانے کی بہ نسبت مستقبل نہیں ہے بلکہ وہ اس کی نسبت سے تو ماضی ہے۔

وذكر الشيخ[1] في حاشية أبي داؤد أنه من قبيل حذف المعلول وإقامة العلة مقامه كما قالوا في قوله تعالى فَإِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ أي فلا تحزن فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ وقوله تعالى إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيْعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا أي إنا نجزيهم ولا نضيع عملهم فإنا لا نضيع إلى آخره. وكذا هنا الخبر محذوف أي إلا أرد عليه السلام فقد رد الله على روحي انتهى، فعلى هذا يكون سوق الحديث لإفادة أنه ﷺ يرد سلام المسلم عليه ﷺ تسليما.

اور شیخ (امام ابوالحسن الکبیر السندی) نے ابوداؤد کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے کہ یہ (حدیث) معلول کو حذف کرکے علت کو اس کا قائم مقام کرنے کی قسم سے ہے۔ جیسا کہ علماء نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَإِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ میں یہی فرمایا ہے کہ (لا تحزن) کو جو معلول ہے حذف کرکے (فقد كذبت رسل) کو جو علت ہے، اس کے قائم مقام کیا گیا ہے اور (نیز) اللہ تعالیٰ کے ارشاد: إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصالحات إِنَّا لَا نُضِيْعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا میں یہی فرمایا ہے کہ: (انا نجزيهم ولا نضيع عملهم) کو جو معلول ہے حذف کرکے (إِنَّا لَا نُضِيْعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا) کو جو علت ہے، اس کے قائم مقام کیا گیا ہے اور اسی طرح یہاں خبر (إلا أرد عليه السلام) جو معلول ہے حذف کیا گیا ہے (فقد رد الله على روحي) جو علت ہے اس کے قائم مقام کیا گیا ہے تو اس (تفصیل کی) بناء پر حدیث لانے کا مقصد یہ بات بتانا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اوپر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

واعلم أن ما ذكره الشيخ في الآيتين من جملة التوجيهات التي ذكروها وإلا فقد قالوا أيضا إن المذكور فيهما هو الأولى بأن يجعل محكوما به ومعنى الآية الأولى وإن تكذيبهم إياك تكذيب منهم لمن سبق من الرسل إذ مقالتك هي بعينها مقالتهم ومعنى الآية الثانية أنا لا نضيع أجرهم فهو من باب وضع الظاهر موضع الضمير.

[1] قلت: في ظني أن المراد من الشيخ الإمام أبو الحسن الكبير السندي وله حاشية بسيطة على سنن أبي داؤد خطية ولم تطبع إلى الآن طالعتها في خزانة الكتب للسيد محب الله صاحب العلم حفظه الله عن الألم والشيخ أبو الحسن الكبير من مشائخ الشيخ محمد حيات السندي المدني وهو شيخ لأبي الحسن الصغير المؤلف، أبو سعيد السندي.

اور یہ بات جان لیں کہ (شیخ ابوالحسن الکبیر السندی) نے ان دو آیتوں میں جو توجیہ ذکر کی ہے وہ ان جملہ توجیہات میں سے جن کو علماء نے ذکر کیا ہے (صرف ایک توجیہ) ہے (اور بس، اس کو ترجیح حاصل نہیں ہے، جب معلول کو حذف کر کے علت کو اس کا قائم مقام کرنے والی بات مقیس علیہ آیات میں ہی مرجوح ہے تو اس مقیس حدیث میں بھی مرجوح ہوگی) ورنہ علماء نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ ان آیتوں (میں توجیہ کی ضرورت نہیں بلکہ) ان دونوں میں جو (الفاظ خبر کی جگہ) مذکور ہیں، وہی (مبتداء کی) خبر قرار دیئے جانے کے لئے زیادہ بہتر ہیں۔ (اگر اس توجیہ کو ترجیح حاصل ہوتی تو دوسرے قول کو ہی اولیٰ قرار نہ دیتے) اور پہلی آیت کا معنی (یہ) ہے کہ: ''ان کا رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانا، بعینہ ان کا سابقہ رسل کو جھٹلانا ہے۔ اس لئے کہ آپ کی بات بعینہ انہی کی بات ہے۔'' اور دوسری آیت کا معنی (یہ) ہے کہ ہم ان کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔ اس لئے یہ (اسم) ظاہر کو (اسم) ضمیر کی جگہ رکھنے والی بات ہے۔ (لہٰذا اس حدیث میں بھی جو الفاظ خبر کی جگہ مذکور ہیں وہی مبتداء کی خبر ہیں۔ یہ نہیں کہ خبر محذوف ہے۔ جو الفاظ خبر کی جگہ مذکور ہیں، وہ اس خبر محذوف کی علت اور اس کے قائم مقام ہیں)

ثم اعلم أنه لم يثبت ما يدل على أن المراد برد الروح هو حلولها في البدن بحيث يصير البدن به حيا كحالته في الدنيا كما نص عليه السبكي و سيجيء كلامه بل غاية ما ثبت على مبلغ علمنا أن المراد هو التعلق المخصوص لروحه بجسده الأصلي من غير أن يقع فيه تغير و هو أمر زائد على ما هو ثابت لكل ميت و مما يدل عليه ما خرجه مسلم في صحيحه عن ابن عمر قال قال النبي ﷺ إذا مات الرجل عرض عليه معقده بالغداة و العشي إن كان من أهل الجنة فالجنة و إن كان من أهل النار فالنار انتهى.

پھر یہ جان لیں کہ ایسی کوئی دلیل موجود نہیں جس سے معلوم ہو کہ ردّ روح سے مراد اس کا بدن میں اس طرح آنا ہے جس سے وہ دنیا میں زندہ ہونے کی طرح زندہ ہو جائے۔ جیسا کہ سبکی رحمہ اللہ نے اس کی صراحت کی ہے۔ ان کی بات عنقریب آئے گی۔ بلکہ ہمارے علم کے مطابق زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہے کہ (اس حدیث میں ردّ روح سے) مراد رسول اللہ ﷺ کی روح کا رسول اللہ ﷺ کی اصلی جسم کے ساتھ ایسا مخصوص تعلق ہے کہ جس سے (رسول اللہ ﷺ کے جسم) میں تغیر نہیں ہو سکتا اور وہ (نبی کے جسم میں تغیر نہ ہونا) اس (تعلق) سے ایک زائد چیز ہے، جو ہر (مسلمان و کافر) میت (کی روح) کے لئے (اس کے جسم کے ساتھ) ثابت ہے اور اس (ہر میت کی روح کے اپنے جسم کے ساتھ تعلق) پر دلیل وہ حدیث ہے جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان مرتا ہے تو صبح و شام اس پر اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے۔ اگر جنتی ہے تو جنت اس پر پیش کی جاتی ہے اور اگر دوزخی ہے تو دوزخ۔ (انتہیٰ)

إن قيل قد ذكرت أن الإنسان عبارة عن الجسد أو عنه مع الروح و مقتضاه أن العرض يكون على أجسادهم.

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انسان کی تعریف میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ انسان یا تو جسم کو کہتے ہیں یا جسم مع الروح کو اور اس (تعریف) کا مقتضی ہے کہ (چونکہ حدیث میں ٹھکانا پیش کیا جانا انسان پر بتایا گیا ہے، لہٰذا یہ) ٹھکانا پیش کیا جانا ان کے اجسام پر ہو۔ (حالانکہ انبیاء کے سواء کسی کا جسم اصلی باقی رہنا ضروری نہیں اور جب ضروری نہیں تو ٹھکانا پیش کیا جانا، ان کے اجسام پر کیسے ہوگا)

قلت قد عدل هنا عن الحقيقة بقرينة ما خرجه البخاري عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال ويبلى كل شيء من الإنسان إلا عجب ذنبه فيه يركب الخلق انتهى[1].

میں (اعتراض کے جواب میں) کہتا ہوں کہ بے شک یہاں (ٹھکانا پیش کئے جانے والی حدیث میں) ایک قرینہ کی وجہ سے انسان کا حقیقی معنی (جسم یا جسم مع الروح) مراد نہیں ہے (بلکہ اس کا مجازی معنی روح مراد ہے۔ لہٰذا ٹھکانا پیش کیا جانا بھی ان کے اجسام پر نہیں بلکہ ارواح پر ہوگا۔ لیکن جسم کے ساتھ اس کے تعلق کی وجہ سے جسم بھی خوشی یا تکلیف محسوس کرے گا، چاہے بوسیدہ ہوکر ذرات کی شکل میں ہو اور مجازی معنی کا) قرینہ وہ حدیث ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور انسان کی ریڑھ کی ہڈی کے سواء اس کی ہر چیز بوسیدہ ہو جاتی ہے، اسی میں مخلوق کو زندہ کیا جائے گا۔ (انتہی)

وفي الفتح: قال العلماء هذا عام يخص عنه الأنبياء.

أقول: وقد شوهد لبعض من عداهم عدم تغير الجسد بعد مضي مدة مديدة من حين دفنهم فهم وأمثالهم أيضا مخصوصون من هذا الحكم إلا أن يثبت أنه يتسارع إليهم البلى آخرا ولو بعد حين. هذا إذا قيل إن اللام في الإنسان للاستغراق وهو في حيز المنع بل هو للعهد الذهني والمعنى ويبلى كل عضو من أعضائه إلا العجب. فالقضية مهملة في حكم الجزئية فظهر للتخصيص الذي يشعر به ظاهر الكلام وجه.

فتح الباری میں ہے علماء کرام نے فرمایا کہ یہ (ریڑھ کی ہڈی کے سواء ہر چیز کا بوسیدہ ہونا) ہر کسی میں ہوتا ہے (مگر) انبیاء کو اس سے استثناء دیا گیا ہے۔ میں (مصنف) کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ بعض دیگر لوگوں میں (بھی) یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ دفن کے بعد ایک طویل عرصہ گزرنے کے باوجود ان کے جسم کو کچھ نہیں ہوا۔ لہٰذا (صرف) انبیاء (نہیں بلکہ) دیگر وہ لوگ بھی جو (بوسیدہ نہ ہونے میں) ان جیسے ہیں اس (حدیث میں بیان کردہ بوسیدگی والے) حکم میں داخل نہیں ہیں مگر یہ ثابت ہو جائے کہ ان (غیر انبیاء) میں بوسیدگی اگرچہ ایک (طویل) وقت کے بعد (ہی سہی لیکن) آخر کار ہوتی ہے (تو اس صورت میں صرف انبیاء ہی مذکورہ حکم سے مستثنیٰ ہوں گے) یہ (انبیاء کا بوسیدگی والے حکم میں داخل نہ ہونا) اس وقت ہے جب کہیں الانسان میں الف لام استغراق (سب انبیاء اور غیر انبیاء کو بوسیدگی والے حکم میں داخل کرنے) کے لئے ہو۔ حالانکہ وہ مسلم نہیں ہے، بلکہ الف لام عہد ذہنی (انسان کے بعض غیر متعین افراد پر بوسیدگی والا حکم بتانے) کے لئے ہے اور (اس کے مطابق حدیث کا) مطلب یہ ہے کہ بعض انسانوں کے اعضاء میں سے ہر عضو سواء ریڑھ کی ہڈی کے بوسیدہ ہو جائے گا۔ (جب ایسا ہے) تو یہ قضیہ مہملہ ہے جو جزئیہ (بعض افراد) کے حکم (بیان کرنے کے درجہ) میں ہے نتیجتاً (حقیقی تخصیص تو یہاں نہیں ہوسکتی جو یوں ہوتی کہ حکم انبیاء اور غیر انبیاء کو شامل ہوتا اور پھر انبیاء کو خاص کیا جاتا۔ جیسا کہ گزر چکا (لیکن) جس تخصیص

[1] قلت: وقد خرج النسائي عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ كل بني آدم وفي حديث مغيرة كل ابن آدم يأكله التراب إلا عجب الذنب منه خلق وفيه يركب. قال الإمام أبو الحسن الكبير السندي في حاشيته القضية جزئية بالنظر إلى أفراد ابن آدم ضرورة أن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء. راجع سنن النسائي ج ا ص ۲۱ طبع أصح المطابع.

کی خبر (ابن حجر کے) صریح الفاظ دے رہے ہیں، اس کی ایک صورت (بہرحال) نکل آتی ہے (وہ یوں کہ اس حدیث میں بیان کردہ بوسیدگی والے حکم میں انبیاء داخل ہی نہیں۔ گویا کہ رسول اللہ ﷺ نے انبیاء و امثالھم کو الفاظ میں بیان کئے بغیر ہی بوسیدگی والے حکم سے مستثنیٰ فرمایا ہے)

قال في خلاصة الوفاء: وقد ذكر ابن تيمية أن الشهداء بل كل المؤمنين إذا زارهم المسلم (وسلم عليهم[1]) عرفوا به وردوا عليه (انتهى ما في الخلاصة) لكنه لا يتوقف على البنية وأما في الأنبياء فمع البنية وقوة النفوذ في العالم والاستغناء عن الفوائد الدنيوية ولا يخفى عليك أن كل ما يثبت به خصوصية الحياة يثبت به أصل الحياة أيضا من غير عكس.

خلاصۃ الوفاء میں ہے کہ ابن تیمیہ ؒ نے فرمایا ہے کہ جب مسلمان شہداء بلکہ تمام مؤمنین کی زیارت کرتا ہے اور ان کو سلام کرتا ہے تو وہ اس کو پہچانتے ہیں اور اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ (انتہیٰ) لیکن اس جواب کا مدار جسم پر نہیں ہے (بلکہ روح پر ہے اس لئے جسم صحیح سالم ہو یا گل گیا ہو وہ جواب دونوں صورتوں میں دیتے ہیں) حضرات انبیاء علیہم السلام کا جواب جسم اور دنیا میں قوت تصرف (سلام سننا، سلام کا جواب دینا، ازواج مطہرات پر دیگر نکاح کی حرمت کی صورت میں اثر انداز ہونا وغیرہ) اور فوائد دنیویہ (کھانا پینا وغیرہما) سے استغناء کے ساتھ ہوتا ہے۔ (اس عبارت سے ہمارے رد روح والے مطلب کی تائید ہوتی ہے کہ انبیاء کا جسم بوسیدہ نہیں ہوتا جب کہ عام مردوں کا بوسیدہ ہوجاتا ہے) یہ بات تجھ پر مخفی نہیں ہے کہ جس بھی دلیل سے حیات کی (کوئی) خصوصیت (جیسے مثلاً جسم کا بوسیدہ نہ ہونا) ثابت ہوگی تو اس سے خود حیات بھی ثابت ہوگی۔ لیکن اس کا برعکس نہیں ہوگا، (لہٰذا جس دلیل سے حیات ثابت ہوگی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ولا تقولوا لمن یقتل تو اس سے حیات کی کوئی خصوصیت ثابت نہیں ہوسکتی)

ثم اعلم أن التعلق المخصوص الذي يحصل للأرواح مع الأجساد بعد الدفن هل يستمر بالنسبة إلى الأنبياء ويزول بالنسبة إلى مَن عداهم قال في أحاديث الإسراء في قول أبي بكر رضي الله عنه لا يذيقك الله الموتتين إن حياته ﷺ في القبر لا يعقبها موت بل يستمر حيا والأنبياء أحياء في قبورهم و لعل هذا هو الحكمة في تعريف الموتتين ويكون الإشارة إلى الموتتين الواقعتين لكل أحد غير الأنبياء انتهى.

پھر یہ جان لیں کہ دفن کے بعد (سب، انبیاء اور غیر انبیاء کی) ارواح کو (ان کے) اجسام کے ساتھ جو خاص تعلق حاصل ہوتا ہے (جو ہم پیچھے ثابت کر آئے ہیں اس کے متعلق ایک سوال ہے کہ) کیا وہ (تعلق) انبیاء علیہم السلام میں دائمی رہتا ہے اور غیر انبیاء میں ختم ہوجاتا ہے؟ (ابن حجر ؒ نے فتح الباری کے اندر) واقعہ اسراء سے متعلق احادیث کے ذیل میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قول ''اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو دو موتیں نہیں دیں گے'' کی وضاحت کرتے ہوئے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کی قبر والی حیات کے بعد موت نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور (دیگر) انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور شاید (الموتتین ''جانی پہچانی دو موتیں'' والے لفظ کو معرفہ لانے) میں یہی مقصد ہو اور (اس صورت میں) جانی پہچانی دو موتوں سے ان دو موتوں کی طرف اشارہ ہوگا جو انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہر ایک پر آتی ہیں۔ (انتہیٰ ما فی الفتح)

---

[1] هذه الزيادة كتبتها من أصل المأخذ، أبو عبيدة السندي.

وأراد بها الموتة عند انصرام الأجل والموتة في القبر بعد الإحياء للسؤال وقال في كتاب الجنائز إن هذا اختيار الداودي ويرد عليه أن الصحيح أن الشهداء أيضا لاتنقطع عنهم الحياة التي خصهم الله بها كالأنبياء.

اور (حضرت ابوبکر ؓ نے ان دو موتوں سے ایک تو) عمر ختم ہونے کے وقت والی موت مراد لی ہے اور (دوسری) قبر میں سوال کے لئے زندہ کئے جانے کے بعد والی موت مراد لی ہے، اور (ابن حجرؒ نے فتح الباری) کتاب الجنائز میں فرمایا کہ یہ (الموتتین میں دوسری موت کا مصداق قبر میں سوال کے لئے زندہ کئے جانے کے بعد والی موت کو بتانا اور اس کو حضرت ابوبکرؓ کی مراد قرار دینا) داودی کا مختار ہے (میں مصنف کہتا ہوں) کہ (قبر میں سوال کے لئے زندہ کئے جانے کے بعد والی موت کو انبیاء کے علاوہ باقی سب جن میں شہداء بھی شامل ہیں کے لئے عام قرار دینے پر) اشکال ہوتا ہے، اس لئے کہ صحیح (بات) یہ ہے کہ انبیاء کی طرح شہداء سے بھی وہ حیات جو اللہ تعالیٰ نے ان کی خصوصیت بتائی ہے منقطع نہیں ہوتی۔

وذكر الشيخ علي القاري في شرحه للشمائل أنه لايتكرر الموت على أحد من الأموات في القبر بعدما يحيون للسوال انتهى.

اور شیخ ملا علی قاری ؒ نے (تو) اپنی شرح شمائل میں (آگے بڑھ کر یہاں تک) ذکر کیا ہے کہ قبر میں سوال کے لئے زندہ کئے جانے کے بعد (انبیاء اور شہداء تو رہے اپنی جگہ) کسی (عام) مردہ کو بھی دوبارہ موت نہیں آئے گی۔ (انتہیٰ)

وهو مقتضى ما قدمنا عن ابن تيمية أنهم يردون على من سلم عليهم ويؤيده ما مر من حديث عرض المقاعد عليهم غدوة وعشيا ويمكن أن يوفق بينهما بأن تعلق الروح بالجسد أو بجزء منه له مراتب فيجوز أن يكون هذا التعلق عند غير الأنبياء عند السؤال أتم وأكمل مما بعده ليتمكن منه المكالمة مع الملكين العظيمين وأما فيما بعده فإنما يبقى له تعلق ما يعرف به من زاره ويرد عليه فالحافظ أراد بموتهم بعد السؤال زوال التعلق المخصوص الذي كان لهم عند السؤال ولم يرد زوال أصل التعلق ويدل عليه قوله بعموم الإغماء الذي عند النفخة الأولى للأحياء والأموات جميعا والشيخ إنما أراد بقاء أصل التعلق۔ هذا كله في غير الأنبياء وأما بالنسبة إليهم عليهم الصلاة والسلام فقد جزم الحافظ والبيهقي وغيرهما باستمرار ذلك التعلق وأنهم يطرء عليهم بالنفخة الأولى ثم يزول ذلك بالنفخة الثانية. بقي أنهم هل يبعثون يوم القيامة على هذا التعلق الخاص الذي هو لهم الآن ويحصل فيه الترقي والكمال والزيادة عند النفخة الثانية. فجزم جماعة من المحققين به، منهم العلامة ابن حجر الهيثمي حيث قال في الجوهر المنظم في قوله ﷺ فنبي الله حي يرزق أي من المعارف الربانية والكرامات الرحمانية انتهى. فإقدامه على تأويل الرزق بالمعارف إنما هو بواسطة أنه لم يثبت عنده ما يقتضي حمله على المتبادر من المأكول والمشروب.

ہم ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے حوالہ سے جو یہ بات پہلے نقل کر چکے ہیں کہ جوان (مردوں) کو سلام کرتا ہے تو اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو اس کا تقاضا بھی یہی ہے (کہ عام مردوں کو بھی قبر میں سوال کے لئے زندہ کئے جانے کے بعد دوبارہ موت نہ آئے) اور مردوں پر صبح وشام ان کے ٹھکانے پیش کئے جانے کو بیان کرنے والی گزشتہ حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے اور (اب ابن حجر رحمہ اللہ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ) دونوں کی عبارتوں میں یوں تطبیق ممکن ہے کہ روح کے جسم یا اس کے کسی جزء کے ساتھ تعلق کے کئی مراتب ہیں (جو وقت کے اعتبار سے مختلف ہیں، جب تعلق کے کئی مراتب ہیں) تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ (روح کا جسم کے ساتھ) یہ تعلق غیر نبی میں سوال کے وقت تو بالکل کامل (مرتبے میں) ہوتا ہے (اس لئے) تاکہ دو عظیم فرشتوں کے سامنے جواب دینے پر قادر ہو باقی اس (سوال) کے بعد والے وقت میں (بالکل کامل مرتبے میں باقی نہیں رہتا بلکہ) صرف اتنا تعلق باقی رہتا ہے جس سے وہ زیارت کرنے والے کو پہچان سکے اور سلام کا جواب دے سکے۔ (اب سمجھیں کہ) حافظ (ابن حجر رحمہ اللہ) نے تو سوال کے بعد ان (عام لوگوں) کے مرنے سے (روح اور جسم کے مابین) اس کامل تعلق کا زوال مراد لیا ہے جو سوال کے وقت تھا اور اصل تعلق کا زوال مراد نہیں لیا اور اس پر دلیل ان کا (یہ) قول ہے کہ نفخہ اولی کے وقت بیہوشی زندوں اور مردوں دونوں کو ہوگی (اور مردوں میں بیہوشی کے قائل اسی وقت ہو سکتے ہیں جب ان میں نفس حیات کے قائل ہوں اس لئے کہ بیہوشی فرع حیات ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ نفس حیات کے منکر نہیں ہیں) اور شیخ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے (عام مردوں کو بھی دوبارہ موت نہ آنے والے قول سے) اصل تعلق کی بقاء کو مراد لیا ہے (باقی سوال کے بعد کامل تعلق کے زوال کے وہ بھی قائل ہیں) اور یہ (اصل تعلق کی بقاء اور کامل تعلق کے زوال کی) ساری تفصیل غیر انبیاء میں ہے، باقی (رہا معاملہ) انبیاء علیہم السلام کی بہ نسبت تو حافظ (ابن حجر رحمہ اللہ) اور بیہقی رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات کو (روح اور جسم کے مابین اصل تعلق کی بقاء کے ساتھ ساتھ) اس (کامل) تعلق کے (بھی) دوام اور بقاء کا یقین ہے اور (یہ بھی یقین ہے کہ بیہوشی) اُن پر نفخہ اولیٰ سے طاری ہوگی پھر نفخہ ثانیہ سے ختم ہوگی۔ باقی رہی یہ بات کہ کیا یہ حضرات قیامت کے دن (روح اور جسم کے مابین) اسی خاص تعلق پر اٹھائے جائیں گے جو کہ ان کو اس وقت حاصل ہے اور نفخہ ثانیہ کے وقت ان کو اس (تعلق خاص) میں ترقی اور کمال اور زیادتی حاصل ہوگی؟ (اس لئے اس سے پہلے کھانے پینے کے محتاج نہیں ہوں گے) محققین کی ایک جماعت کو اسی کا یقین ہے، ان (محققین) میں سے (ایک) علامہ ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے الجوہر المنظم میں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کہ: ''فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ'' اللہ کا نبی زندہ ہے (اس کو) رزق دیا جائے گا، کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس (نبی) کو خدائی معرفتیں اور رحمانی اعزازات (کا رزق نفخہ ثانیہ کے وقت تک) عطاء کیا جائے گا (انتہی) تو ان (علامہ ہیثمی رحمہ اللہ) کا رزق سے خدائی معرفتوں اور الٰہی اعزازات والا معنی مراد لینا صرف اس لئے ہے کہ ان کے ہاں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں جس کا تقاضا ہو کہ رزق سے اس کا فوراً ذہن میں آنے والا یعنی کھانے پینے والا معنی مراد ہے۔

وقال أيضا في التحفة (تحفة المحتاج في شرح المنهاج) الثابت في الأحاديث الصحيحة أن الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون وحياتهم وإن كانت حياة حقيقية بالنسبة إلى الروح والبدن إلا أنها ليست حقيقية من كل وجه. (مأخوذ بحذف مناسب)

اور (اپنی کتاب) تحفہ (تحفة المحتاج فی شرح المنهاج للهيثمي) میں بھی فرمایا ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔ وہ حیات اگرچہ روح اور بدن کی بہ نسبت تو حقیقی ہے لیکن ہر اعتبار (مثلاً کھانے پینے وغیرہ کے اعتبار) سے حقیقی حیات نہیں ہے (ہر اعتبار سے حقیقی حیات تسلیم نہ کرکے رزق کے غیر متبادر معنی میں ہونے کو مؤکد کیا ہے)

ومنهم صاحب الهداية من علمائنا الحنفية حيث قال: والتنفل بصلاة الجنازة غير مشروع ولهذا رأينا الناس تركوا من آخرهم الصلاة على قبر النبي ﷺ وهو اليوم كما وضع.

اور ان (محققین) میں سے (دوسرے) صاحب ہدایہ ہمارے حنفی علماء میں سے ہیں (وہ ان محققین میں سے اس حیثیت سے شمار ہوتے ہیں کہ) انہوں نے فرمایا ہے نفلی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے اور اسی (عدم جواز کی) وجہ سے ہم نے لوگوں کو دیکھا ہے کہ انہوں نے بالاتفاق رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف پر نماز جنازہ پڑھنا چھوڑ رکھا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ آج بھی (روح کے جسم کے ساتھ تعلق کامل کے اعتبار سے) ایسے ہی ہیں جیسے قبر میں رکھے گئے تھے (اور نفخہ ثانیہ کے بعد ہی اس حالت میں ترقی ہوگی)

منهم صاحب الكافي منهم قال: ولو جاز التنفل بها لكان أولى أن يصلى على قبره ﷺ لأنه في قبره الآن كما وضع.

اور ان (محققین) میں سے (ایک تیسرے) صاحب الکافی ہیں جنہوں نے فرمایا اگر نماز جنازہ بطور نفل (ہر جگہ) جائز ہوتی تو (دوسری جگہوں کی بنسبت) رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف پر پڑھنا اولیٰ ہوتی، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں اس وقت (بھی) ایسے ہی ہیں جیسے (دفن کے وقت) رکھے گئے تھے۔ (اور نفخہ ثانیہ تک یوں ہی رہیں گے)

ومنهم القاضي عياض والإمام النووي، ذكر النووي في أحاديث الإسراء[1]: أن الأنبياء كالشهداء بل أفضل منهم والشهداء أحياء عند ربهم فلا يبعد أن يحجوا ويصلوا وذكر أيضا في فضائل موسى عليه السلام في قوله فلا أدري أكان فيمن صعق فأفاق قبلي أم كان ممن استثنى الله انتهى. الصعق والصعقة الهلاك والموت وقال القاضي: إنها من أشكل الأحاديث لأن موسى قِدمات فكيف تدركه الصعقة يعني الموت وإنما يصعق الأحياء وقوله ممن استثنى الله يدل على أنه كان حيا ولم يأت أن موسى رجع إلى الحياة ولا أنه حي كما جاء في عيسى فيحتمل أن هذا الصعقة صعقة فزع بعد البعث حين تنشق السماوات والأرض ويؤيده قوله فأفاق

---

[1] قلت: ذكر هذا في جواب سوال ذكره بقوله فان قيل كيف يحجون ويلبون وهم أموات وهم في دار الآخرة وليست دار عمل فاعلم أن للمشائخ وفيما ظهر لنا عن هذا أجوبة أحدها أنهم كالشهداء بل أفضل منهم الخ، وقلت ذكر هنا وجوها أخر أيضا في الجواب إن شئت التفصيل فراجع شرح النووي ص ۹۴ طبع أصح المطابع بكراتشي السند، أبو سعيد السندي.

اور ان (محققین) میں سے قاضی عیاض رحمہ اللہ اور امام نووی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ امام نووی نے (اپنی کتاب شرح مسلم میں) اسراء کی حدیث (کی تشریح) میں (اس سوال کہ انبیاء کا وفات پا کر قبر میں حج اور تلبیہ کہنا کیسا ہے؟ کے جوابات میں سے ایک جواب یہ) ذکر کیا کہ بے شک انبیاء علیہم السلام شہداء کی طرح بلکہ ان سے افضل ہیں اور (جب) شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں تو انبیاء علیہم السلام کا (زندہ ہونا اور) حج کرنا اور نماز پڑھنا کوئی بعید نہیں ہے اور (نیز امام نووی رحمہ اللہ نے) موسیٰ علیہ السلام کے فضائل سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے فرمان کہ: میں نہیں جانتا ہوں گا کہ کیا وہ (موسیٰ علیہ السلام) بیہوش ہونے والوں میں بیہوش ہو گئے تھے پھر مجھ سے پہلے افاقہ میں آ گئے یا (بیہوش ہونے والوں میں سے تھے ہی نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ کے مستثنیٰ قرار دیئے گئے لوگوں میں سے ہیں۔ میں (مذکور لفظ) الصعق و الصعقۃ کا معنی الھلاکۃ والموت ذکر کر کے فرمایا ہے کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے (اپنی کتاب اِکمال المعلم شرح صحیح مسلم میں) فرمایا کہ یہ حدیث مشکل ترین احادیث میں سے ہے۔ اس لئے کہ (اگر اس صعقہ سے مراد نفخہ اولیٰ والی موت ہو تو) موسیٰ علیہ السلام تو (اس سے پہلے ہی) فوت ہو چکے ہیں پھر ان کو موت کیسے آئے گی؟ (اس لئے کہ یہ تو تحصیل حاصل ہے تب ہی تو) موت صرف زندوں کو آتی ہے (یہ صعقہ سے مراد موت لینے کے راستے کی رکاوٹ ہے) اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد: ''ممن استثنی اللہ'' اس (بات) پر دلالت کرتا ہے کہ (جب رسول اللہ ﷺ نے زندہ ہونے کے بعد دیکھا تو) موسیٰ علیہ السلام (ان سے پہلے ہی) زندہ تھے (اور) یہ بات (کسی حدیث میں) نہیں آئی کہ موسیٰ علیہ السلام (وفات کے بعد دنیاوی زندہ کی طرح) زندہ ہو گئے ہیں۔ (بالفرض یہ بات کسی حدیث میں آ جاتی تو صعقہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں موت کی معنی میں لینے کی راہ ہموار ہوتی اور حدیث کا معنی یوں ہوتا: میں نہیں جانتا ہوں گا کہ کیا وہ مرنے والوں میں شامل ہو کر مر گئے تھے پھر مجھ سے بھی پہلے زندہ ہو گئے (یہ بھی ایک منقبت ہے) یا مرنے والوں میں شامل تھے ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے مستثنیٰ قرار دیئے گئے لوگوں میں سے ہیں (یہ بھی ایک منقبت ہے) اور یہ جو مجھے زندہ نظر آ رہے ہیں موت سے استثناء کی بناء پر ان کی اسی قبری زندگی کا تسلسل ہے) اور نہ ہی ایسا (کسی حدیث میں آیا) ہے کہ وہ (مسلسل) زندہ ہیں جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آیا ہے (بالفرض یہ بات کسی حدیث میں آ جاتی تو صعقہ کو موسیٰ علیہ السلام کے حق میں موت کی معنی میں لینے کی راہ ہموار ہوتی لیکن کسی ایسی حدیث کا آنا ممکن نہیں تھا۔ اس لئے کہ وہ حدیث وفات موسیٰ علیہ السلام کو بیان کرنے والی احادیث سے ٹکراتی) بہر حال (جب یہ دونوں باتیں کسی حدیث میں نہیں آئیں تو صعقہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں موت کی معنی میں لینے کی راہ ہموار بھی نہیں ہے۔ اس لئے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا) احتمال ہے کہ اس صعقہ (سے مراد موت نہ ہو بلکہ) گھبراہٹ کی (وجہ سے) بیہوشی ہو جو مُردوں کے (دنیوی زندہ کی طرح) زندہ ہونے کے بعد (جن میں موسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں) اور زمین و آسمان پھٹنے کے وقت ہوگی اور اس (صعقہ سے مراد بیہوشی) کی تائید رسول اللہ ﷺ کے قول ''فافاق'' سے (بھی) ہوتی ہے (اس لئے کہ اَفَاقَ ہوش میں آنے کے لئے بولا جاتا ہے زندہ ہونے کے لئے بعث کا لفظ بولا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر یہاں صعقہ بمعنی موت ہوتا تو بعث کا لفظ بولا جاتا نہ کہ افاق کا۔ انتہیٰ!

(ماخوذ من شرح النووی علیٰ مسلم)

والظاهر أنه أراد بالحياة المنفية الكيفية المخصوصة التي كان موسى عليه السلام عليها في الدنيا ويبعث عليها يوم القيامة وإلا فقد نص على أن الأنبياء أحياء لكن يرد على ما ذكره من التوجيه أنه يلزم منه أن تكون النفخة أربع مرات، الأولى لإماتة من كان حيا إذ ذاك إلا من شاء الله، الثانية لإحياء الأموات كلها من تقدم ومن تاخر، الثالثة لغشيهم كلهم إلا من شاء الله، الرابعة للإفاقة من الغشي وقد جزم به ابن حزم ومن وافقه لكن المنصور -كما صرح به الحافظ أنهما نفختان: الأولى للإماتة والإغماء والثانية للإفاقة والإحياء وسنذكر توضيحه إن شاء الله تعالى. فالأقرب أن يقال في توجيه الحديث أن المراد بالصعق المذكور فيه وإن كان صعق فزع كما قال القاضي لكنه بالنفخة الأولى قبل البعث لا بالثانية بعد نفخة البعث إذ الفزع يكفي في تحققه وجود نوع من الحياة ولا يتوقف على الحياة المخصوصة التي تحصل عند النفخة الثانية.

(مصنف فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے حدیث میں صعقہ موت کے معنی میں نہ ہونے کا سبب موسیٰ علیہ السلام کے زندہ نہ ہونے کو قرار دیا ہے) تو بظاہر (نفخہ اولی کے وقت) یہ حیات کی نفی موسیٰ علیہ السلام کی دنیا والی حیات کی طرح حیات کی اور اس حیات کی طرح حیات کی ہے جس پر قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔ (کیونکہ موت کا آنا اسی قسم کی حیات پر منحصر ہے۔ اس قسم کی حیات کی نفی سے موت آنے کی بھی نفی ہو جاتی ہے۔ باقی اس سے قبر میں نفس حیات کی نفی مراد نہیں) اس لئے کہ (اس کے متعلق تو) قاضی عیاض نے صراحت کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں حیات ہیں۔ لیکن اس توجیہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ نفخہ چار مرتبہ ہو، پہلا (صرف) ان سب لوگوں کو مارنے کے لئے جو اس وقت (دنیا میں) زندہ ہوں گے۔ (نہ کہ قبر میں اس لئے قاضی نے انبیاء کو اس موت کے اعتبار سے زندہ نہیں سمجھا، تب ہی تو موسیٰ علیہ السلام کو فوت شدہ کہا اور صعقہ سے موت کے بجائے بیہوشی مراد لی۔ اس سے انبیاء کی قبر والی حیات کا انکار لازم نہیں آتا اور ان کے نزدیک انبیاء) الا من شاء اللہ (میں داخل ہیں) دوسرا اگلے پچھلے تمام مردوں کو (جسمانی طور) زندہ کرنے کے لئے (اس میں انبیاء داخل ہیں اور یہی وقت ان کے روح کے جسم کے ساتھ خاص تعلق میں مزید اضافے کا ہے) تیسرا سب (انبیاء وغیر انبیاء) کو بیہوش کرنے کے لئے الا من شاء اللہ۔ (جیسے موسیٰ علیہ السلام اور قاضی نے صعقہ سے یہی بیہوشی مراد لی ہے) چوتھا بیہوشی سے افاقہ کے لئے۔ ابن حزم رحمہ اللہ اور اس کے موافقین کو اسی کا یقین ہے (کہ نفخہ چار مرتبہ ہوگا) لیکن تائید شدہ بات جیسا کہ حافظ نے (بھی) اس کی تصریح کی ہے، یہ ہے کہ نفخے صرف دو ہیں۔ پہلا بیہوش کرنے اور مارنے کے لئے، دوسرا ہوش میں لانے اور زندہ کرنے کے لئے، اس کی وضاحت ان شاء اللہ تعالیٰ آیا ہی چاہتی ہے (اور وہ یہ ہے کہ) حدیث کی توجیہ میں زیادہ قریب بات یہ کہی جاسکتی ہے کہ حدیث میں مذکور صعقہ سے مراد اگرچہ (موت نہیں بلکہ) گھبراہٹ والی بیہوشی ہی ہے۔ جیسا کہ قاضی عیاض نے فرمایا ہے لیکن وہ (بیہوشی) نفخہ اولیٰ (جس کا نمایاں کام اماتہ احیاء ہے) کے ذریعے دوبارہ زندہ ہونے سے پہلے (ہی وقوع پذیر) ہوجائے گی (اس کے لئے مستقل نفخے ماننے کی ضرورت نہیں۔ یعنی ایک ہی نفخے سے حیات برزخی والے بیہوش اور اس وقت کے زندہ لوگ مرجائیں گے) نہ کہ (بیہوشی) دوسرے نفخہ کے ذریعے مکمل حیات کے بعد ہوگی اس لئے کہ گھبراہٹ (بیہوشی) کے وقوع کے لئے کچھ نہ کچھ زندگی (بھی) کافی ہے۔ اس کے وقوع کے لئے وہ مکمل حیات جو نفخہ ثانیہ کے وقت ہوگی ضروری نہیں ہے۔

ومنهم الداؤدی[1] والقسطلانی والحافظ خرج البخاری فی تفسیر سورة الزمر عن أبی هريرة عن النبی ﷺ قال إنی أوّل من يرفع رأسه بعد النفخة الآخرة فإذا أنا بموسى متعلق بالعرش فلا أدری أكذلك كان أم بعد النفخة انتهى

اوران (محققین) میں سے (چوتھے پانچویں چھٹے) داودی رحمۃ اللہ علیہ، قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ (ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ) بھی ہیں (مصنف فرماتے ہیں) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سورت زمر کی تفسیر میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو لوگ دوسرے نفخہ کے بعد اپنا سر اُٹھائیں گے۔ ان سب سے پہلا شخص میں ہوں گا تو غیر متوقع طور پر دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کے ساتھ چمٹے ہوں گے۔ اس لئے میں نہیں جانتا ہوں گا کہ ان کی یہ حالت شروع سے تھی یا نفخہ کے بعد ہوئی ہے۔ (انتہیٰ)

اعلم إنه فهم الداودی أن معناه فلا أدری أكان حيا كذلك أم أحيی قبلی بعد النفخة فأورد عليه ما أورد كما ذكره القسطلانی فی ذيل هذا الحديث. قال قال الداودی فيما حكاه السفاقسی قوله أكذلك إلخ وهم لأن موسى مقبور ومبعوث بعد النفخة فكيف يكون كذلك قبله وأجيب بأن فی حديث أبی هريرة المذكور فی الإشخاص[2] فإن الناس يصعقون يوم القيامة وأصعق معهم فأكون أوّل من يفيق فإذا أنا بموسى باطش جانب العرش فلا أدری أكان فيمن صعق فأفاق قبلی أو كان ممن استثنى الله فلم يصعق. والمراد بالصعق غشی يلحق من سمع صوتا أو رأى شيئا ففزع منه، وقد وقع التصريح فی هذه الرواية بأن الإفاقة بعد النفخة الثانية.

(مصنف فرماتے ہیں) جان لو! کہ (مذکورہ محققین میں سے) داودی رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھا ہے کہ اس (بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث) کا مطلب یہ ہے کہ: میں (ﷺ) نہیں جانتا ہوں گا کہ وہ اسی طرح (نفخہ سے پہلے ہی) زندہ تھے یا نفخہ کے بعد مجھ سے پہلے زندہ کئے گئے ہیں پھر اس (مطلب) پر اعتراض بھی کیا ہے۔ جیسا کہ اس (اعتراض اور دلیل اعتراض) کو قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔ (قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) کہ داؤدی نے بمطابق حکایت سفاقسی فرمایا ہے کہ حدیث کا یہ جملہ: أكذلك الخ (مذکورہ بالا مطلب کے اعتبار سے) وہم ہے۔ اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام (تو یقیناً) قبر میں ہیں اور نفخہ کے بعد (ہی) زندہ کئے جائیں گے تو نفخہ سے پہلے کیسے زندہ ہو سکتے ہیں؟ اس (اعتراض کا) جواب یہ دیا گیا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث (بخاری باب

[1] قلت: المراد منه أحمد بن نصر الداؤدی الأسدی المالكی أبو جعفر المتوفی ۴۰۲ھ محدث فقيه متكلم سكن طرابلس الغرب وتوفی بتلمسان، من مصنفاته النامی فی شرح المؤطا والواعی فی الفقه النصيحة فی شرح البخاری والإيضاح فی الرد على القدرية راجع معجم المؤلفين لعمر رضا كحاله ج ۲ ص ۱۹۴ طبع دمشق أبو سعيد السندی.

[2] قلت: الإشخاص الإذهاب يقال شخص من بلد إلى بلد ذهب وأشخصه غيره قلت وهذا باب ما يذكر فی الإشخاص والمخصوصة بين المسلم واليهودی قد أورد البخاری فيه حديثين من أبی هريرة رضی اللہ عنہ وأبی سعيد رضی اللہ عنہ وفيهما ذكر الصعق فهذه حوالة على ذالك الباب راجع الجزء الأوّل من صحيح البخاری ص ۱۹۴ طبع أصح المطابع وقلت ما ذكره العلامة السندی من هذا التحقيق قد أورده محشی صحيح البخاری أيضا فی تعليقاته راجع ج ۱ ص ۱۱۷ طبع أصح المطابع أبو سعيد السندی.

ما یذکر فی الاشخاص) (و الخصومۃ بین المسلم و الیہود) میں مذکور ہے (وہ مفسر اور وضاحت والی ہے اور یہ بخاری میں سورت زمر کی تفسیر میں مذکور حدیث مجمل اور غیر واضح ہے اور) اس (وضاحت والی حدیث) میں (اس مجمل اور غیر واضح حدیث والے الفاظ کی بجائے اس طرح) ہے (میری موسیٰ پر برتری ظاہر مت کرو) اس لئے کہ (زندہ) لوگ قیامت کے دن (نفخہ اولیٰ سے جس کا نمایاں کام اماتہ اُحیاء ہوگا، مرنے سے پہلے) بیہوش ہوں گے تو میں (بھی) ان کے ساتھ بیہوش ہو جاؤں گا (دوسرے نفخہ سے زندہ ہو کر پھر) ہوش میں آنے والا سب سے پہلا شخص میں ہوں گا تو غیر متوقع طور پر موسیٰ علیہ السلام عرش کی جانب کو پکڑے ہوئے (نظر آرہے) ہوں گے، مجھے پتہ نہیں چلے گا کہ وہ بیہوش ہونے والوں میں سے تھے پھر مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ نے (بیہوشی سے) مستثنیٰ کیا۔ اس لئے وہ بیہوش ہی نہ ہوئے اور صعق سے مراد وہ بیہوشی ہے جو کسی (زوردار) آواز سننے یا کسی (خوفناک) چیز کو دیکھنے سے گھبرا کر آدمی کو لاحق ہوتی ہے۔ (چونکہ مجمل اور مفسر آپس میں ایسے ہیں جیسے متن اور شرح۔ لہٰذا اس مفسر حدیث کے بارے میں مجمل حدیث والے الفاظ کو ذہن میں رکھ کر یوں کہہ سکتے ہیں کہ) اس روایت میں تصریح ہے کہ افاقہ نفخہ ثانیہ کے بعد ہوگا۔

و أما ما وقع فی حدیث أبی سعید فإن الناس یصعقون فأکون أول من تنشق عنہ الأرض فیمکن الجمع بأن النفخۃ الأولی یعقبھا الصعق لجمیع الخلق أحیائھم و أمواتھم و ھو الفزع ثم یعقب ذلك الفزع للموتی زیادۃ فیما ھم فیہ و للأحیاء موتا ثم ینفخ الثانیۃ للبعث فیفیقون أجمعین فمن کان مقبورا انشقت عنہ الأرض فیخرج من قبرہ و من لیس بمقبور فلا یحتاج إلی ذلك و قد ثبت أن موسی ممن قبر فی الحیاۃ الدنیا کما فی صحیح مسلم أن النبی ﷺ قال مررت علی موسی علیہ السلام لیلۃ أسری بی عند الکثیب الأحمر و ھو قائم یصلی فی قبرہ.

باقی حدیث ابو سعید رضی اللہ عنہ میں جو یہ (مضمون) ہے کہ لوگ بیہوش ہوں گے پھر میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جس سے زمین پھٹے گی (اور اس حدیث میں ہے کہ میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو ہوش میں آئے گا) تو (دونوں حدیثوں میں ایسا تعارض نہیں کہ دونوں کا مفہوم جمع نہ ہو سکتا ہو بلکہ) دونوں حدیثوں میں جمع اس طرح ممکن ہے کہ نفخہ اولیٰ کے بعد بیہوشی زندہ اور مردہ ساری مخلوق کو ہوگی اور یہ (بیہوشی اصل میں) گھبراہٹ ہے (کما قال تعالی وَتَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَمَا ھُمْ بِسُکٰرٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ) پھر وہ گھبراہٹ مردوں کے لئے جس (بے حسی کی حالت) میں وہ ہوں گے، اس میں مزید (بے حسی کا سبب) ہوگا اور زندوں کے لئے موت واقع ہوگا۔ پھر بعث کے لئے دوسری بار نفخہ ہوگا تو تمام لوگ افاقہ میں آئیں گے۔ بس جو قبر میں ہوگا اس سے مٹی ہٹ جائے گی تو وہ اپنی قبر سے باہر نکل آئے گا اور جو قبر میں نہیں ہوگا تو اس کو اس (مٹی ہٹنے) کی ضرورت نہیں اور بلاشبہ یہ بات دنیا میں ثابت شدہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام قبر میں ہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اسراء والی رات موسیٰ علیہ السلام کے ہاں سرخ ٹیلے کے پاس سے اس حال میں گزرا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے (خلاصہ یہ کہ نبی کریم ﷺ ہوش میں بھی سب سے پہلے آئیں گے اور قبر کی مٹی بھی سب سے پہلے ان سے ہٹے گی)

و قد استشکل کون جمیع الخلق یصعقون مع أن الموتی لا إحساس لھم. فقیل الذین یصعقون ھم الأحیاء و أما الموتی فھم فی الاستثناء فی قولہ إلا من شاء اللہ أی إلا من سبق علیہ الموت فإنہ لا یصعق و إلی

هذا جنح القرطبي كذا في الفتح انتهیٰ[1]

(مذکورہ توجیہ میں چونکہ بے ہوشی ساری مخلوق جس میں مردہ بھی داخل ہیں کے لئے ثابت مانی گئی ہے تو) اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ساری مخلوق کو کیسے بے ہوشی ہوسکتی ہے۔ حالانکہ اموات میں توحس نہیں ہوتی؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بے ہوش فقط زندہ ہوں گے باقی مردے اللہ تعالیٰ کے إِلَّا مَنْ شَاءَ اللهُ والے استثناء میں داخل ہیں جو بمعنی ''الا من سبق علیه الموت'' ہے، اس لئے وہ بے ہوش نہیں ہوں گے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان اسی کی طرف ہے۔ (قسطلانی کی عبارت ختم ہوئی اور) فتح الباری میں (بھی) اسی طرح ہے (اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مستثنیٰ لوگوں کی تعیین کسی صحیح حدیث میں آئی نہیں ہے اور اسباب کی حد تک بھی وہ بے ہوشی کے قابل نہیں ہیں۔ لہٰذا وہ مستثنیٰ لوگوں میں شامل ہیں۔ ابن حجر ان کی دلیل ذکر کر کے فرماتے ہیں: و تعقبه صاحبه القرطبي في التذكرة فقال قد صح فيه حديث أبي هريرة و في الزهد لهناد بن السري عن سعيد بن جبير موقوفا هم الشهداء وسنده إلى سعيد صحيح وسأذكر حديث أبي هريرة في الذي بعده، الخ انظر فتح الباري ۱۱/۳۷۰)

و الأحياء الذين يصعقون هم أعم من الذين لم يذوقوا الموت و من الذين قد ذاقوه أولا ثم أحياهم الله تعالىٰ كالأنبياء فأما الأولون فيفزعون ثم يموتون و أما الآخرون فلا يؤديهم الفزع إلى الموت فتنبه يا أخي أن القسطلاني نقل ما جزم الداودي به من أن موسى يبعث بعد النفخة الثانية و لم يتعقبه، فالظاهر أنه وجده موافقا لما عنده إذ لو رآه أذى في طريق أهل الإسلام لأزاله قال ﷺ و أدناها إماطة الأذى عن الطريق. و إنما أجاب عن إيراده بتوجيه الحديث بوجه آخر لا يتجه عليه إيراده فقال ما حاصله إن معناه فلا أدري أكان كذلك غير مغشي عليه أو غشي عليه و أفاق بعد النفخة الثانية قبلي. فلو لم يكن القسطلاني جازما بما جزم به الداودي بل كان مجوزا لخلافه لأنكر عليه بإبداء احتمال آخر و كذلك نقل كلام الحافظ و ارتضاه و هو من قوله و يمكن الجمع إلى آخره و قد أورده الحافظ في مناقب الأنبياء بعينه و ظاهره أنه عد الأنبياء أمواتا بالنسبة إلى ما كان أو بالنسبة إلى ما سيكون لهم من المزايا لقوله و للأحياء موتا و قد قال كما سبق أنه ﷺ يستمر حيا.

اور جو زندہ لوگ بے ہوش ہوں گے (اس میں دو قسم کے لوگ) شامل ہیں (ایک قسم وہ) جنہوں نے موت (کا مزا سرے سے) نہیں چکھا اور (دوسری قسم) وہ لوگ جو پہلے موت کا شکار ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما دیا، جیسے انبیاء علیہم السلام (دونوں قسموں کی بیہوشی میں فرق ہے) پہلی قسم کے لوگ تو گھبرا کر بیہوش ہوں گے اور پھر مر جائیں گے۔ لیکن دوسری قسم کے لوگوں کی گھبراہٹ موت پر منتج نہیں ہوگی۔ (مصنف فرماتے ہیں) میرے بھائی (اس بات کو) دھیان میں رکھیں کہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے (دلیل ذکر کرتے ہوئے) داودی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جزم کہ موسیٰ علیہ السلام نفخہ ثانیہ کے بعد (ہی دنیا والی حیات دے کر) زندہ کئے جائیں گے۔ نقل کیا ہے اور ان (کے اس جزم) کی تردید نہیں کی تو بظاہر (اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو دنیوی حیات کی طرح حیات ملنے کے بارے

[1] قلت: هذا التحقيق الذي أحال المصنف العلام على الفتح أورده الحافظ في أحاديث الأنبياء كما يقول هو الثاني و الثالث حديث أبي هريرة رضي الله عنه و حديث أبي سعيد رضي الله عنه في قصة اليهودي الذي لطمه المسلم سياتي الكلام عليهما في أحاديث الأنبياء فتح الباري ج ۵ ص ۲٦٧ طبع البابي الحلبي۔ قلت هنا اشتباه في العبارة من التقديم و التأخير في النقل في الأصل أبو سعيد السندي.

میں) قسطلانی ؒ کی تحقیق بھی وہی ہے جو داودی ؒ کی ہے (ہم بھی گمان رکھ سکتے ہیں) اس لئے کہ قسطلانی اگر اس کو اہل اسلام کے راستہ میں ایک غلط عقیدہ سمجھتے تو ضرور اس کی تردید کرتے (تا کہ جو) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ راستے سے گندگی کو دور کرنا ایمان کی ادنیٰ شاخ ہے (پرعمل ہو سکے) اور قسطلانی ؒ نے (داودی ؒ کے جزم کی تردید تو نہیں کی اتنا ضرور کیا کہ) اس کے اعتراض کا جواب حدیث کی ایک دوسری توجیہ کر کے دیا کہ جس پر داودی ؒ کا اعتراض (سرے سے) ہو (ہی) نہیں سکتا۔ اس (توجیہ) کا حاصل ہے کہ حدیث کا مطلب ہے کہ: میں نہیں جانتا ہوں گا کہ کیا وہ (نفخہ ثانیہ سے پہلے بھی) اسی طرح بے ہوش ہی نہیں تھے یا (نفخہ ثانیہ سے پہلے) بیہوش تھے اور نفخہ ثانیہ کے بعد مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے۔ (موسیٰ علیہ السلام کے متعلق) جس (طرح کی زندگی) کا داودی ؒ کو جزم ہے۔ اگر قسطلانی ؒ کو اس کا جزم نہ ہوتا بلکہ اس کے برخلاف (وہ کسی دوسری طرح کی زندگی) کے امکان کے قائل ہوتے تو دوسرا احتمال نکال کر (داودی ؒ کے) اس (جزم) پر نکیر فرماتے اور اسی طرح (قسطلانی نے) حافظ (ابن حجر ؒ) کے کلام کو جس کے الفاظ یہ ہیں: ویمکن الجمع نقل کیا اور اس کو پسند کیا اور اس تحقیق کو حافظ (ابن حجر فتح الباری ۶ / ۴۴۴ باب) مناقب الانبیاء میں ہو بہو (انہی الفاظ میں جو قسطلانی نے نقل کئے ہیں) لائے ہیں۔ (خلاصہ یہ کہ قسطلانی داودی ؒ کی تحقیق سے متفق ہونے کے ساتھ ساتھ ابن حجر ؒ کی تحقیق سے بھی متفق ہیں) اور اس (ابن حجر ؒ کی تحقیق میں یہ بات بالکل) ظاہر ہے کہ ابن حجر ؒ نے (بھی) انبیاء علیہم السلام کو (نفخہ اولی کے بعد) پہلے والی قبری حیات کے اعتبار سے یا (نفخہ ثانیہ کے بعد) ان کو حاصل ہونے والے ان کمالات کے اعتبار سے ہو جو ان کو (نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کے درمیانی وقفہ میں حاصل نہیں تھے، مردہ شمار کیا ہے۔ ان کی اس سمجھ پر ان کا یہ قول ''وللاحیاء موتا'' کہ اور (وہ گھبراہٹ) زندوں کے لئے موت واقع ہو گی، دلیل ہے اور بلا شبہ اس کے تو (یقیناً) قائل ہیں۔ جیسے کہ گزر چکا کہ رسول اللہ ﷺ (اور دیگر انبیاء علیہم السلام قبروں میں قبری حیات کے ساتھ) دائمی حیات ہیں۔

وقال الحافظ أيضا في باب حديث الخضر مع موسى أنه روى عن مكحول عن كعب الأحبار قال أربعة من الأنبياء أحياء إثنان في الأرض الخضر وإلياس وإثنان في السماء إدريس وعيسى انتهى. والمراد بالحياة الحياة المخصوصة وإلا فقد قدمنا عنه أنهم كلهم أحياء.

نیز حافظ (ابن حجر ؒ) نے (فتح الباری) باب حدیث الخضر مع موسیٰ علیہ السلام میں فرمایا ہے کہ بواسطہ مکحول کعب احبار ؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا انبیاء علیہم السلام میں سے چار زندہ ہیں خضر اور الیاس علیہم السلام (یہ) دو زمین میں زندہ ہیں اور ادریس اور عیسیٰ علیہم السلام (یہ) دو آسمان میں زندہ ہیں اور (یہاں ان چار انبیاء علیہم السلام میں حافظ ابن حجر ؒ کی) حیات سے مراد (چونکہ ایک) مخصوص (دنیا والی) حیات ہے (اس لئے اس کو ذکر کیا) ورنہ ہم پہلے ہی ابن حجر ؒ کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام حیات ہیں (مذکورہ چار انبیاء علیہم السلام کی حیات دنیا والی حیات ہے۔ ان کے علاوہ باقی انبیاء علیہم السلام کی حیات قبر والی حیات ہے۔ لہٰذا اس اثر میں مروی حیات کو حیات دنیاویہ پر ہی محمول کیا جائے گا)

وأما المحقق تقي الدين السبكي فهو مع جزمه بأن أجسادهم مصونة من التغير وأرواحهم ردت إليهم متوقف في الحكم بأنها جعلت في أجسادهم أو أن الأجساد اتصفت بالحياة من غير أن يجعل فيها

وهي في السماء أو حيث ما شاء الله تعالى ولنذكر كلامه بعينه: قال القسطلاني في المواهب: قال السبكي رحمہ اللہ قد ثبت أن أجساد الأنبياء لا تبلى وعود الروح إلى الجسد ثابت في الصحيح لسائر الموتى فضلا عن الشهداء والأنبياء وإنما النظر في استمرارها في البدن وفي أن البدن يصير حيا كحياته في الدنيا أو حيا بدونها وهي حيث يشاء الله تعالى فإن ملازمة الروح للحياة أمر عادي لا عقلي وهذا مما يجوزه العقل فإن صح به سمع اتبع انتهى[1]

محقق تقی الدین سبکی رحمہ اللہ اس بات کا جزم کرنے کے باوجود کہ ان (انبیاء علیہم السلام) کے اجسام گلنے سڑنے سے (بھی) محفوظ ہیں اور ان کی روحیں (بھی) ان کی طرف لوٹا دی گئیں ہیں پھر بھی یہ حکم لگانے میں توقف اختیار کرتے ہیں (کہ زندگی کی دو کیفیتوں میں ایک متعین کیفیت کیا ہے؟ یہ کیفیت) کہ روحوں کو جسموں میں ڈالا گیا ہے یا (یہ کیفیت کہ) جسموں میں روحوں کے ڈالے جانے کے بغیر ہی زندگی پائی جاتی ہے اور (اس دوسری صورت میں) روحیں آسمان میں ہوں یا جہاں اللہ تعالیٰ چاہیں وہاں ہوں (اس سے فرق نہیں پڑتا جسم میں روح کی عدم موجودگی میں بھی زندگی پائی جاسکتی ہے مصنف فرماتے ہیں) ہم کو ان کا کلام ان کے اپنے الفاظ میں ذکر کرنا چاہئے، قسطلانی رحمہ اللہ نے مواہب میں فرمایا سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ تو ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم خراب نہیں ہوں گے اور صحیح روایت کے مطابق روح کا جسم کی طرف لوٹنا تمام مردوں کے لئے ثابت ہے تو شہداء اور انبیاء علیہم السلام کے لئے کیوں نہ ہوگا (ضرور ہوگا) بات تو صرف (انبیاء) کے بدن میں روح کے (ڈالے جانے کے بعد) مسلسل برقرار رہنے کے بارے میں ہے اور اس بارے میں ہے کہ (ان کا) بدن جیسے دنیا میں (سانس کی موجودگی کے ساتھ) زندہ ہوتا ہے۔ اسی طرح قبر میں بھی (سانس کی موجودگی کے ساتھ) زندہ ہے یا (ان کا) بدن زندہ ہے مگر سانس بدن میں نہیں بلکہ جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا وہاں ہے (اور یہ ہوسکتا ہے) اس لئے کہ حیات کے لئے روح کا (بدن میں وجود) ضروری ہونا ایک مشاہداتی (مشاہدے سے تعلق رکھنے والی) چیز ہے (بایں معنی کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ جہاں بھی حیات دیکھی اس کے ساتھ روح ضرور دیکھی) عقلی (اور نظریاتی) چیز نہیں ہے (کیونکہ) عقل کہتی ہے کہ حیات ہو لیکن اس کے ساتھ روح نہ ہو تو (امکان کی حد تک) ایسا ہوسکتا ہے۔ اس لئے اس بارے میں کوئی صحیح نقلی دلیل ہوگی تو اس کو (بھی) مان لیا جائے گا۔ انتہیٰ (کذا فی شفاء الاسقام فی زیارۃ خیر الانام بتغییر یسیر)

أقول: وهكذا يجب التوقف فيما لم يثبت بالنقل ولا يهتدي إليه العقل وقد قال ابن مسعود على ما في البخاري إن من العلم أن تقول لما لا تعلم الله أعلم.

میں (مصنف) کہتا ہوں اسی طرح (مذکورہ بالا مسئلے کے علاوہ دوسرے ہر) اس مسئلے میں جو نقل سے ثابت نہ ہو اور عقل اس کو دریافت نہ کرسکے، خاموشی اختیار کرنا (اور لب کشائی نہ کرنا) واجب ہے اور صحیح بخاری میں منقول روایت کے مطابق حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ کا غیر معلوم چیز کے بارے میں یہ کہنا کہ (اس کو) اللہ تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں، بھی علم ہے (کیونکہ کسی چیز کا ادراک علم ہے اور اس میں اپنی جہالت کا ادراک ہے۔ لہٰذا اللہ اعلم کہنے میں خفت محسوس نہیں کرنی چاہئے)

---

[1] قلت: راجع شفاء السقام في زيارة خير الأنام للحافظ تقي الدين السبكي ص ۱۵۹، الطبعة الأولى ببولاق مصر وقلت إن القسطلاني الناقل أورد عبارة السبكي بتغيير يسير.

العقد الثالث ...... في أن أجساد الأنبياء علیہم السلام

هل هي مستقرة في قبورهم أو أنها تحولت عنها

اعلم أرشدك الله وإياى إلى سبيل الرشاد أني قد وقفت في هذا الباب على رسالة للشيخ يحيى الأنبابي ادعى فيها أن ليس أجساد الأنبياء في القبور. وغاية ما استدل به عليه قول ابن المسيب وذكر فيها أشياء هي عليه لا له.

تیسرا حصہ...... اس سوال کے جواب میں

کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام اپنی قبور میں موجود ہیں یا وہاں سے منتقل ہو چکے ہیں؟

یہ جان لیں! اللہ تعالیٰ آپ کی اور میری ہدایت کے راستے کی طرف رہنمائی فرمائے کہ میں ماضی قریب میں اس (مذکورہ بالاعنوان والے) مسئلے میں شیخ یحییٰ الانبابی کے ایک رسالہ پر مطلع ہوا جس میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام اپنی قبور میں موجود نہیں ہیں اور ان کی اپنے دعوے پر انتہائی (وزنی) دلیل حضرت ابن المسیب رحمہ اللہ کا قول ہے اور (اس دلیل کے علاوہ شیخ یحییٰ الانبابی نے اپنے) اس (رسالے) میں کئی دیگر دلیلیں (بھی) ذکر کی ہیں جو ان کے خلاف ہیں مفید (مدعیٰ) نہیں ہیں۔

والذي ظهر في هذه المسئلة بعد التأمل فيما ورد عن النبي ﷺ ولا قول لأحد مع قوله ﷺ هو أنها ثابتة في القبور وإنما تبعث يوم ينفخ في الصور ولنلق عليك ما يحضرنا من حججه القاطعة وبراهينه الساطعة.

اور رسول اللہ ﷺ سے منقول احادیث میں غور کرنے کے بعد اور (درمیان میں یہ بھی یاد رہے کہ) رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے ہوتے ہوئے کسی اور کی بات قابل قبول نہیں ہے، اس مسئلہ میں جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام (ان کی) قبروں میں موجود ہیں اور ان کو وہاں سے اسی دن اٹھایا جائے گا جس دن صور پھونکا جائے گا اور ہم آپ کے سامنے (اس دعویٰ پر کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام قبروں میں موجود ہیں) جو قطعی دلائل اور مضبوط براہین ہمارے پاس موجود ہیں پیش کرتے ہیں۔

فمنها ما خرجه البخاري في كتاب الإشخاص من صحيحه أنه ﷺ قال: فأكون أول من تنشق عنه الأرض قال القسطلاني أي أول من يخرج من قبره قبل الناس أجمعين الأنبياء وغيرهم انتهى. وقد قدمنا مرارا أن الإنسان عند أهل السنة عبارة عن الجسد والروح معا أو الجسد فقط وقد أسلفنا عن الحافظ أنه يخرج من قبره من كان مقبورا بعد النفخة الثانية.

انبیاء علیہم السلام کے اجسام اپنی قبور میں موجود ہیں

دلیل نمبر ۱: ان دلائل میں سے (ایک دلیل) یہ ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح البخاری کے کتاب الاشخاص میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جس سے زمین پھٹے گی۔ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا (اس حدیث کا) مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلے شخص ہوں گے جو انبیاء اور غیر انبیاء سب

لوگوں سے پہلے اپنی قبر سے نکلیں گے۔ (انتہیٰ) اور ہم پہلے (بھی) کئی دفعہ ذکر چکے ہیں کہ اہلسنت کے ہاں انسان (یا تو) جسم اور روح دونوں (کے مجموعے) کا نام ہے یا (ان دو میں سے) صرف جسم کا اور ہم حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے (یہ بھی) پہلے نقل کر چکے ہیں کہ نفخہ ثانیہ کے بعد اپنی قبر سے وہ نکلے گا جو قبر میں ہوگا۔ (تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ قیامت تک قبر میں ہوں گے تبھی تو نفخہ ثانیہ کے بعد اپنی قبر سے نکلیں گے)

ومنها ما قدمنا من قوله ﷺ إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء في الجواب عن سؤالهم بقولهم كيف تعرض عليك صلاتنا وقدأرمت يعنون أنه قد جرت العادة بتغير الجسد بمكثه في الأرض فكيف تعرض عليه الصلاة وحاصل جوابه ﷺ عند من له أدنى ذوق أن أجساد الأنبياء مع استقرارها في الأرض محفوظة من التغير.

دلیل نمبر ۲: اور ان دلائل میں سے (دوسری دلیل) رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد ہے جو ہم پہلے ذکر چکے ہیں کہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھانا حرام کیا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث ان کے اس سوال کہ رسول اللہ ﷺ پر ہمارا درود رسول اللہ ﷺ کے مٹی ہو چکنے والی حالت میں کیسے پیش کیا جائے گا؟ (اس سوال سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا) مطلب یہ تھا کہ یونہی ہو رہا ہے کہ جو مردہ زمین میں (دفن ہونے کے بعد) پڑا رہتا ہے تو وہ گل سڑ کر مٹی بن جاتا ہے تو (بظاہر رسول اللہ ﷺ بھی زمین میں دفن کے بعد وہیں رہنے کی وجہ سے اس کیفیت سے دوچار ہوں گے) تو رسول اللہ ﷺ پر (اس حالت میں) ہمارا درود کیسے پیش ہو سکتا ہے؟ کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے جواب کا خلاصہ اس شخص کے ہاں جس کو (اس سوال کے پس منظر کی) معمولی واقفیت بھی ہو یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام زمین میں رکھے رہنے کے باوجود گل سڑنے سے محفوظ ہیں۔

ومنها ما قدمنا من قوله ﷺ الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون.

دلیل نمبر ۳: اور ان دلائل میں (تیسری دلیل) رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز (بھی) پڑھتے ہیں۔

وقال الحافظ ابن حجر في باب الإسراء وقد استشكل رؤية الأنبياء في السماوات مع أن أجسادهم مستقرة في قبورهم. وأجيب بأن أرواحهم تشكلت بصور أجسادهم أو أحضرت أجسادهم لملاقاة النبي ﷺ تلك الليلة تشريفا له وتكريما ويؤيده حديث أنس رضي الله عنه ففيه وبعث له آدم فمن دونه من الأنبياء فأمهم انتهى[1] بلفظه ووافقه العيني وجزم به.

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے باب الاسراء میں فرمایا ہے کہ یہ اشکال کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنی قبروں میں موجودگی کے باوجود (معراج والی رات) آسمانوں میں کیسے دیکھا گیا؟ اور جواب (دو شقوں میں) دیا گیا ہے۔ (ایک شق یہ کہ اس رات آسمانوں میں دیکھے جانے والے انبیاء علیہم السلام کے اصل اجسام نہیں تھے بلکہ ان انبیاء کے ارواح نے ان کے اجسام کی صورتیں اختیار کر لی تھیں (اصل اجسام قبروں ہی میں تھے اب اشکال رہا ہی نہیں،

[1] كذا في أصل المسودة وفي فتح الباري المطبوع فالهم مكان فأمهم فتح الباري الجزء الثامن ص ۲۰۹ طبع مصطفى البابي الحلبي بمصر أبو سعيد السندي. (قلت وجدت في تهذيب الآثار للطبري ودلائل النبوة للبيهقي فإذا فيهما ما كتبها العلامة المصنف من لفظ فأمهم لا فالهم فلعله تصحيف. أبو عبيدة السندي)

دوسری شق یہ کہ یا ان کے اجسام کو نبی کریم ﷺ کے اعزاز واکرام میں ملاقات کے لئے (صرف) اس رات (آسمانوں) میں حاضر کیا گیا ہو (تو ہم تسلیم ہی نہیں کرتے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنی قبروں میں موجودگی کے باوجود اس رات آسمانوں میں دیکھا گیا۔ اس لئے کہ اس رات تو ان کے اجسام قبروں میں تھے ہی نہیں اب اشکال نہیں ہوسکتا) اور حدیثِ انس رضی اللہ عنہ اس (دوسری شق) کی تائید کرتی ہے، جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ (کے اکرام) کے لئے آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا (اور بھیجنے میں انتقال جسم ہوتا ہے) پھر رسول اللہ ﷺ نے اُن کی امامت کی۔ (انتہیٰ) اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے (دوسری توجیہ میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ) کی موافقت کی ہے اور اس (توجیہ) پر یقین کیا ہے۔

وحاصل الوجه الثاني أنها إنما خرجت من القبور في تلك الليلة فقط ثم رجعت إليها. وأجاب بعض الصوفية بجواب آخر وهو أن الله تعالى أقام لهم شبحا آخر وأرواحهم تتصرف فيها مع بقاء تصرفها في الأجساد الأوّل وسأذكر إن شاء الله تعالى ما يتعلق به فتربصه.

دوسری توجیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام قبروں سے صرف اس رات ہی نکلے تھے اور پھر قبروں میں واپس آگئے اور بعض صوفیہ نے (اس اعتراض کا) ایک دوسرا جواب دیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے (اس رات) ان (انبیاء علیہم السلام) کے دوسرے ڈھانچے بنائے اور ان کی ارواح نئے جسموں میں سرگرم رہنے کے ساتھ ساتھ پہلے (قبری) جسموں میں بھی (حسب سابق) سرگرم تھیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی ہم اس کے متعلق بات ذکر کرنے والے ہیں اس لئے اس کا انتظار کریں۔

ومنها ما قدمنا من قوله ﷺ مررت على موسى وهو قائم يصلي في قبره وقد قدمنا غير مرة أن الإنسان هو الروح مع الجسد أو الجسد فقط.

دلیل نمبر ۴: اور ان دلائل میں سے (چوتھی دلیل) رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد ہے جو ہم پہلے ذکر چکے ہیں کہ میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے اس حالت میں گزرا کہ وہ کھڑے ہوکر اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور ہم ایک سے زائد مرتبہ ذکر کرچکے ہیں کہ انسان روح مع الجسد یا صرف جسم کو کہتے ہیں۔

وقال الحافظ: اختلف في حال الأنبياء عند لقاء النبي ﷺ إياهم ليلة الإسراء هل أسرى بأجسادهم لملاقاة النبي ﷺ (تلك الليلة)[1]، أو إن أرواحهم مستقرة في الأماكن التي لقيهم النبي ﷺ وهي تشكل بشكل أجسادهم[2] كما جزم به أبو الوفاء[3]. اختار الأوّل بعض شيوخنا واحتج[4] بقوله ﷺ مررت على موسى وهو قائم يصلي في قبره فدل على أنه أسرى به لما مر به. قلت وليس ذلك بلازم بل يجوز أن يكون لروحه اتصال بجسده في الأرض ولذلك يتمكن من الصلاة وروحه مستقرة في السماء انتهى كلام الحافظ[5].

[1] هذه الزيادة بين قوسين كتبتها من فتح الباري.

[2] قلت في فتح الباري المطبوع وأرواحهم مشكلة بشكل أجسادهم إلخ.

[3] وهو ابن عقيل كما جاء في فتح الباري

[4] قلت إن في فتح الباري جاءت العبارة هكذا واحتج بما ثبت في مسلم عن أنس أن النبي ﷺ قال رأيت موسى ليلة أسري بي قائما يصلي في قبره ص ١١٥ فدل على أنه أسرى به لما مر به وفي فتح الباري فلذالك.

[5] راجع فتح الباري شرح صحيح البخاري الجزء الثامن ص ٢١٢ طبع مصطفى البابي الحلبي بمصر.

اور حافظ (ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں) فرماتے ہیں کہ اسراء والی رات رسول اللہ ﷺ کی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملاقات کے وقت انبیاء کی حالت میں اختلاف ہے کہ کیا (اس رات) رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لئے ان کے اجسام (بھی) لائے گئے تھے (اور رسول اللہ ﷺ کی ملاقات اجسام مع الارواح کے ساتھ ہوئی) یا رسول اللہ ﷺ کی ملاقات (صرف) ان کے ارواح کے ساتھ ہوئی جو اپنی جگہوں پر مستقر تھے اور اپنے اپنے جسموں والی شکل اختیار کئے ہوئے تھے۔ جیسا کہ اسی (دوسری صورت) کو ابوالوفاء رحمۃ اللہ علیہ نے حتمی سمجھا ہے اور (اس کے برخلاف) ہمارے بعض شیوخ نے (پہلی صورت) کو اختیار کیا ہے اور (اس پہلی صورت پر) استدلال رسول اللہ ﷺ کے (اس) ارشاد سے کیا ہے (جو صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے) کہ میں موسیٰ علیہ السلام پر اس حالت میں گزرا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ (بعض شیوخ کا استدلال اس بات پر مبنی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے یہ دلیل ہے کہ جسم میں روح تھی ورنہ جسم روح کے بغیر کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا پھر جب رسول اللہ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر دیکھا تو وہ صرف ان کی روح نہیں ہو سکتی۔ ورنہ ان کا مردہ ہونا لازم آئے گا جو خلاف حدیث ہے) تو اس (حدیث انس) سے معلوم ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے گزرے تو ان کے (جسم) کو (بھی) اس وقت لے جایا گیا۔ میں (ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں یہ (کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے لئے روح کا جسم میں ہونا) ضروری نہیں بلکہ (یہ بھی) ممکن ہے کہ ان (موسیٰ علیہ السلام) کے روح کا زمین میں (دفن) ان کے جسم کے ساتھ (صرف) ربط اور تعلق ہو اور اسی (ربط اور تعلق کی) وجہ سے وہ (کھڑے ہو کر) نماز پڑھنے پر قادر ہوں اور ان کی روح (جسم میں نہ ہو بلکہ) آسمان میں ہی موجود ہو۔ انتہیٰ کلام الحافظ (معلوم ہوا کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسری توجیہ راجح ہے)

أقول وبهذا جزم العلامة ابن القيم في كتاب الروح فقال قد رأى النبي ﷺ موسى ليلة الإسراء قائما يصلي في قبره ورآه في السماء السادسة فالروح كانت هناك في مثال البدن ولها اتصال بالبدن بحيث يصلي في قبره ويرد على من يسلم عليه وهو في الرفيق الأعلى ولا تنافي بين الأمرين فإن شأن الأرواح غير شأن الأبدان وكذلك رؤية النبي ﷺ سائر الأنبياء في السماوات إنما هي رؤية الأرواح في مثال الأجساد مع ورود أنهم أحياء في قبورهم يصلون وقد قال ﷺ من صلى عند قبري سمعته ومن صلى علي نائيا بلغته وهذا مع القطع بأن روحه في أعلى عليين مع أرواح الأنبياء وهو في الرفيق الأعلى فثبت بهذا أن لا منافاة بين كون الروح في أعلى عليين أو الجنة أو السماء وأن لها بالبدن اتصالا بحيث يدرك ويسمع ويصلي انتهى كلام ابن القيم بحروفه.

میں (مصنف) کہتا ہوں اور اسی (دوسری توجیہ) پر علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے (اپنی) کتاب (بنام) الروح میں جزم فرمایا ہے (اس میں) فرماتے ہیں کہ بلاشبہ (یہ حدیث صحیح سند سے مروی ہے کہ) نبی کریم ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو اسراء والی رات اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور (پھر اسی رات) ان کو چھٹے آسمان میں بھی دیکھا تو وہاں (آسمان میں) روح (ہی) بدن کی شکل میں تھی اور اس (روح) کا (قبر میں موجود) بدن کے

ساتھ اس طور پر تعلق جڑا ہوا تھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز (بھی) پڑھتے تھے اور اپنے اوپر سلام کہنے والے کو اس کا جواب (بھی) دیتے تھے اور (نماز پڑھنے اور سلام کا جواب دینے کی حالت میں بھی) روح رفیق اعلیٰ میں تھی (جسم میں نہیں تھی) اور دونوں باتوں میں تضاد نہیں ہے اس لئے کہ ارواح کی حالت وہ نہیں ہوتی جو ابدان کی ہوتی ہے (اس لئے روح رفیق اعلیٰ میں ہو کر بھی بدن میں تصرف کر سکتی ہے) اور اسی طرح نبی کریم ﷺ کا آسمانوں میں تمام انبیاء علیہم السلام کو دیکھنا (بھی) جسموں کی شکل میں صرف ارواح ہی کو دیکھنا تھا۔ کیونکہ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں (اس لئے اس کی وہی توجیہ ہو سکتی ہے جو اوپر گزر چکی) اور رسول اللہ ﷺ نے (یہ بھی) فرمایا ہے کہ جو میری قبر کے پاس درود پڑھے گا تو میں اس کو (خود) سنوں گا اور جو میرے اوپر درود دور سے بھیجے گا تو وہ مجھے (بواسطہ فرشتہ) پہنچایا جائے گا۔ (ایک طرف) یہ (مذکورہ حدیثیں ہیں تو دوسری طرف یہ) بات (بھی) یقین کے ساتھ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی روح انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ اعلیٰ علیین میں ہے وہ (اعلیٰ علیین) رفیق اعلیٰ ہے۔ بہرحال اس (مذکورہ تفصیل) سے ثابت ہوا کہ اس بات میں کہ روح اعلیٰ علیین یا جنت یا آسمان (تین میں سے کسی ایک) میں ہو اور اس بات میں کہ اس کا بدن کے ساتھ اتصال اس طور پر ہو کہ وہ ادراک کر سکے سن سکے اور نماز پڑھ سکے، ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ (انتہیٰ کلام ابن القیم بحروفہ)

وقال الحافظ أيضا ناقلا عن بعضهم رؤيته ﷺ إياهم في السماء محمولة على رؤية أرواحهم إلا عيسى لما صح أنه رفع بجسده وقد قيل في إدريس أيضا وأما الذين صلوا معه في بيت المقدس يحتمل الأرواح خاصة ويحتمل الأجساد بأرواحها انتهى.

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی بعض حضرات سے نقل کر کے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا انبیاء کو آسمان میں دیکھنا ان کے ارواح کو (بشکل اجسام) دیکھنے کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اس بات میں عیسیٰ علیہ السلام کا استثناء ہے، اس لئے کہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ ان کو جسم سمیت آسمان پر اٹھا لیا گیا اور (یہی) حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق بھی کہا گیا ہے (کہ ان کو بھی جسم سمیت آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ اس صورت میں وہ بھی مستثنیٰ ہوں گے) لیکن وہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (مل کر) بیت المقدس میں (باجماعت) نماز پڑھی تھی۔ ممکن ہے کہ (اجسام ساتھ نہ ہوں) وہ صرف ارواح (بصورت اجسام) ہوں اور (یہ بھی) ممکن ہے کہ اجسام کے ساتھ ارواح بھی ہوں۔ (انتہیٰ)

ومنها قوله ﷺ من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي نائيا بلغته ذكره في الجامع الصغير ورمز البيهقي في شعب الإيمان وقد جزم ابن القيم بنسبته إلى النبي ﷺ ورآه صالحا للاحتجاج فاحتج به فيما ذكرنا من كلامه وقد أسلفنا ما نقله في الخلاصة عن ابن تيمية أنه ﷺ يسمع سلام من يسلم عليه عند قبره عالما بحضوره فهذا كله ناطق بأن أجسادهم عليهم الصلاة والسلام في القبور.

دلیل نمبر ۵: اور ان دلائل میں سے (پانچویں دلیل) رسول اللہ ﷺ کا (یہ) ارشاد ہے کہ جو میری قبر کے پاس درود پڑھے گا تو میں اس کو (خود) سنوں گا اور جو میرے اوپر درود دور سے بھیجے گا تو وہ مجھے (بواسطہ فرشتہ) پہنچایا جائے گا۔ اس روایت کو الجامع الصغیر میں ذکر کیا ہے اور (اس حدیث کا اصل اور ماخذ بتانے کے لئے جو مختصر)

نشان (ہب) لگایا ہے۔ (اس کا مطلب ہے کہ اس حدیث کو) بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان (نامی اپنی کتاب) میں روایت کیا ہے (اور ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں: واخرجه ابو الشیخ فی "کتاب الثواب" بسند جید بلفظ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِی سمعته وَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نائیا بلغته) اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کو اس حدیث کے مرفوع ہونے کا جزم ہے اور اس کو قابل استدلال سمجھ کر اس عبارت میں اس سے استدلال (بھی) کیا ہے جو (عبارت) ہم (پیچھے) کر چکے ہیں اور خلاصہ میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ہم یہ عبارت پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اوپر رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس (آکر) سلام کرنے والے کے سلام کو اس کی موجودگی کو جانتے ہوئے سنتے ہیں۔ یہ (مذکورہ) پورا کلام (جو پانچ دلائل پر مشتمل ہے) اس بات کا گواہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام قبور میں موجود ہیں۔ (وہاں سے منتقل نہیں کئے گئے)

وأما الأخبار والآثار التي يتوهم دلالتها على خلافه فكل واحد منها مخدوش فيها ولنذكرها بالتفصيل ونتبعها بما فيها.

باقی رہے وہ احادیث و آثار جن میں یہ وہم ہے کہ وہ اس (ثابت شدہ بات) کے برخلاف (اجسام انبیاء کے قبور سے انتقال) پر دلالت کرتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک مجروح ہے (اس لئے مذکورہ مدعی پر قابل استدلال نہیں ہے) ان احادیث و آثار کو ہمیں تفصیل سے ذکر کرنا چاہئے اور ان احادیث و آثار کے بعد ہمیں انہیں احادیث و آثار میں موجود (وہ خامیاں جن کے ہوتے ہوئے وہ قابل استدلال نہیں) ذکر کرنی چاہئیں۔

فمنها ما ذكر القرطبي[1] في التذكرة أنه قد روى كافة أهل المدينة أن جدار القبر الشريف لما انهدم أيام خلافة الوليد بن عبد الملك بن مروان وولاية عمر بن عبد العزيز بدت لهم قدم فخافوا أن تكون قدم رسول الله ﷺ فجزع الناس حتى روى لهم سعيد بن مسيب أن جثة الأنبياء لا تقيم في الأرض أكثر من أربعين ثم ترفع. وفيه أنه لم يذكره سنده حتى يتبين حاله من الصحة والضعف على أنه بعد فرض صحته إنما هو قول تابعي وقول التابعي ليس مما يحتج به سيما إذا صح النصوص عن الشارع ﷺ على خلافه. ولعل سعيدا سمع بعض الأحاديث المحتملة لذلك فسبق ذهنه إليه. والله تعالى أعلم.

۱...... اور ان (غیر قابل استدلال دلائل) میں سے ایک وہ ہے کہ جس کو قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے "تذکرہ" میں ذکر کیا ہے کہ مدینہ کے سب رہنے والوں نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی دیوار جب ولید بن عبدالملک بن مروان کے دور خلافت میں جو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی گورنری کا بھی دور تھا، منہدم ہوئی تو لوگوں کے سامنے ایک پیر ظاہر ہوا تو لوگوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں (وہ پیر) رسول اللہ ﷺ کا پیر مبارک نہ ہو اس (اندیشہ کی)

---

[1] المراد منه الشيخ المحقق شمس الدين محمد بن أحمد بن فرح الأنصاري الأندلسي المتوفى سنة ۶۷۱ إحدى وسبعين وست مأة وكتابه التذكرة مشهور مجلد ضخم فيه من كتب الأخبار والآثار ما يتعلق بذكر الموت والموتى والحشر والجنة والنار والفتن والأشراط وبوبه أبوابا وجعل عقب كل باب فصلا يذكر فيه ما يحتاج إليه من غريب وإيضاح مشكل وسماه التذكرة بأحوال الموتى وأمور الآخرة راجع كشف الظنون ج ۱ ص ۲۷۵ طبع القديم

وجہ سے لوگ گھبرا گئے۔ یہاں تک کہ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے سامنے (یہ) روایت (بیان) کی کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام زمین میں چالیس دن سے زیادہ نہیں ٹھہرتے۔ (چالیس دن ہی ٹھہرتے ہیں) پھر اُٹھائے جاتے ہیں اور اس (دلیل) میں (یہ خامی) ہے کہ (قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے) اس کی سند نہیں ذکر کی۔ (اس سے استدلال اس وقت تک صحیح نہیں جب تک) اس کی صحت اور ضعف کا حال معلوم (نہ) ہو۔ اس (سند کے عدم ذکر کی خامی) سے قطع نظر بالفرض اس کو صحیح بھی تسلیم کیا جائے تو یہ محض تابعی کا قول ہے اور تابعی کا قول ویسے ہی (باب عقائد میں جب اس کا معارض بھی نہ ہو) حجت نہیں۔ خصوصاً (اس وقت تو یہ دلیل بن ہی نہیں سکتا جب کہ) شارع علیہ السلام سے اس کے برخلاف کئی صحیح نصوص مروی ہوں (باقی رہا یہ سوال کہ پھر سعید جیسے آدمی نے یہ بات کیسے کہی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ) شاید حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے بعض (ایسی) احادیث سنی تھیں جن میں اس (مذکورہ مضمون کا بھی) احتمال تھا اور سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا ذہن اسی احتمال کی طرف چلا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (اور احتمال غیر مؤید قابل حجت نہیں)

ومما يشعر بعدم صحة هذا الأثر ما أورده البخاري في صحيحه بسنده عن هشام بن عروة عن أبيه لما سقط عليهم الحائط في زمان الوليد بن عبد الملك أخذوا في بنائه فبدت لهم قدم ففزعوا وظنوا أنها قدم رسول الله ﷺ فما وجدوا أحدا يعلم ذلك حتى قال لهم عروة لا والله ما هي قدم رسول الله ﷺ ما هي إلا قدم عمر رضي الله عنه انتهى. وفي رواية عند أبي بكر الأحري كما قاله القسطلاني أنه بدت لهم قدم بساق وركبة فلما قال لهم عروة سري عن عمر بن عبد العزيز أو كما قال فإن هذا يدل على أنه إنما زال جزعهم وفزعهم بقول عروة ولم يجدوا أحدا يعلم ذلك غيره. والله تعالى أعلم.

اور اس اثر کا صحیح نہ ہونا اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں ہشام بن عروہ عن ابیہ کی سند سے لائے ہیں کہ: جب ولید بن عبدالملک کے دور میں لوگوں پر (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی) دیوار گری تو اس کو بنانے لگے (بنانے کے لئے بنیادیں کھودیں) تو ان کے سامنے ایک پیر ظاہر ہوا، اس لئے گھبرا گئے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا پیر ہے (اور انہوں نے کھدائی میں احتیاط نہ کر کے قبر رسول اللہ ﷺ کی بے حرمتی کی ہے اس لئے گھبرا گئے) ان کو (وہاں موجود آدمیوں میں سے) کوئی ایسا آدمی نہیں مل رہا تھا جو اس پیر کو پہچانتا ہو، یہاں تک کہ حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ نے (بعد میں وہاں آکر) ان سے فرمایا کہ اللہ کی قسم یہ رسول اللہ ﷺ کا قدم نہیں ہے وہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا قدم ہے۔ (انتہی) اور بقول قسطلانی ابوبکر الاحریٰ کے ہاں ایک راویت میں ہے کہ ان کے سامنے ایک قدم پنڈلی اور گھٹنے سمیت ظاہر ہوا، جب حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان (عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ) کو (اس کے متعلق) بتایا تو (پھر جاکر) عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے پریشانی دور ہوئی۔ او کما قال: یہ (باسند حدیث اس بے سند اثر کی عدم صحت پر) اس لئے دلیل ہے کہ یہ بتاتی ہے کہ ان کی جزع فزع حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے دور ہوئی (نہ کہ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے) اور ان کو عروہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کوئی دوسرا نہ ملا جو اس کو جانتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

و منها ما رواه البيهقي بسنده إلى أنس بن مالك أن النبي ﷺ قال الأنبياء لا يتركون في قبورهم بعد أربعين ليلة لكنهم يصلون بين يدي الله حتى ينفخ في الصور انتهى. وفيه أن روايه ابن أبي ليلى وهو سيئ الحفظ كذا في الخلاصة. وقال البيهقي إن صح بهذا اللفظ فالمراد به والله أعلم أنهم لا يتركون لا يصلون إلا هذا المقدار ثم يكونون مصلين بين يدي الله تعالى قال: والظاهر أن المراد بذلك رفع أجسادهم مع أرواحهم انتهى

۲...... اوران (غیر قابل استدلال دلائل) میں سے (دوسری دلیل) وہ ہے کہ جس کو بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء (علیہم السلام) اپنی قبور میں چالیس راتوں کے بعد نہیں چھوڑے جاتے ہیں۔ (بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھایا جاتا ہے) اور وہ صور پھونکے جانے تک اللہ کے روبرو نماز میں مشغول رہتے ہیں۔ انتہیٰ!

اس (دلیل) میں (یہ خامی) ہے کہ اس کا (ایک) راوی ابن ابی لیلی (بھی) ہے اور وہ سیئ الحفظ ہے کذا فی الخلاصۃ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر یہ اثر ان الفاظ کے ساتھ صحیح ہو تو اس کی مراد (بہتر تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں) یہ ہے کہ یہ حضرات نماز نہ پڑھنے کی حالت میں اتنی مقدار ہی ہوتے ہیں پھر وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز پڑھتے ہیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ ان کے اجسام ان کی ارواح سمیت اوپر اُٹھائے جاتے ہیں۔ انتہیٰ!

ذكره في الخلاصة و شرح المصابيح. وحاصل كلامه أن الحديث أو لا ليس بصحيح ولو فرض صحته فهو مصروف عن ظاهره بمعونة النصوص الأخر إما بالتقدير في الكلام بقرينة الاستدراك أي لا يتركون غير مصلين في القبور بعد أربعين ولا يكون ذلك إلا هذا المقدار وإما بأن يراد بالقبور الأمكنة الخالية عن العبادة كما فسرها القسطلاني بها فيما رواه البخاري بسنده إلى ابن عمر عن النبي ﷺ اجعلوا في بيوتكم من صلاتكم ولا تتخذوها قبورا حيث قال: أي لا تجعلوا بيوتكم أوطانا للنوم لا تصلون فيها فإن النوم أخو الموت.

اس کو خلاصہ اور شرح المصابیح میں ذکر کیا ہے۔ (مصنف فرماتے ہیں کہ) ان (امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ) کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً تو یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اگر اس کو صحیح فرض کر لیا جائے تو (یہ کہا جائے گا کہ) دیگر نصوص کی وجہ سے اس حدیث کا ظاہری مفہوم (کہ چالیس راتوں کے بعد انبیاء علیہم السلام کے اجسام ان کی قبور سے منتقل کر لئے جاتے ہیں) ظاہری معنی مراد نہیں ہے۔ (اب) یا تو حدیث میں لفظ لکن کے قرینہ سے عبارت مقدر ہے۔ (کیونکہ عموماً لکن کے لفظ سے پہلے اور بعد چیز ایک ہی ہوتی ہے صرف منفی اور مثبت کا فرق ہوتا ہے تو جب اس حدیث میں لکن کے لفظ کے بعد نماز پڑھنے کا اثبات ہے تو لکن کے لفظ سے پہلے نفی بھی نماز پڑھنے کی ہوگی، عبارت مقدر ماننے کی صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا) کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں چالیس دن کے بعد نماز نہ پڑھنے کی حالت میں نہیں چھوڑے جاتے (بلکہ اس کے بعد ان کو نماز پڑھنی ہوتی ہے) اور وہ (نماز نہ پڑھنا) اتنی مدت ہی ہوتا ہے۔

یا (عبارت مقدر نہ مانیں تو پھر بھی مذکورہ مطلب حاصل ہوسکتا ہے وہ اس طرح کہ حدیث میں) قبور سے مراد وہ جگہیں ہوں گی جو عبادت سے خالی ہوں (اب حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی آرام گاہیں چالیس دن ہی عبادت سے خالی رہنے دی جاتی ہیں۔ اس کے بعد ان میں انبیاء کو عبادت میں مشغول کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ انبیاء کی عبادت چالیس دن تک موقوف ہوتی ہے، اس لئے ان کی آرام گاہوں کو قبور سے تعبیر کیا اور اس حدیث میں قبور کی تفسیر عبادت سے خالی جگہوں کرنا ایسا ہے) جیسا کہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے قبور کی (یہی) تفسیر (اس حدیث میں) کی ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی کچھ نماز (نفل) اپنے گھروں میں ادا کرو اور (نفل ادا نہ کر کے) ان کو قبریں نہ بناؤ۔ گویا کہ یوں فرمایا اپنے گھروں کو (محض) سونے کی جگہیں (قبریں) مت بناؤ کہ ان میں (کوئی) نماز نہ پڑھو (باقی گھر نماز نہ پڑھنے سے قبریں) اس لئے (بنیں گے) کہ نیند موت جیسی چیز ہے۔ (لہٰذا جہاں صرف نیند کی جائے اور نفل نماز بھی نہ پڑھی جائے وہ جگہ قبر کہلانے کی حقدار ہے)

ومنها مارواه عبدالرزاق أن سعيد بن المسيب رأى قوما يسلمون على النبي ﷺ فقال: مامكث نبي في الأرض أكثر من أربعين يوما.

۳..... اور ان (غیر قابل استدلال دلائل) میں سے (تیسری دلیل) وہ ہے جس کو عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ (جب) سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قوم کو دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کو سلام کر رہے تھے تو فرمایا کہ کوئی بھی نبی (بشمول نبی کریم ﷺ کے) زمین میں (اپنی قبر کے اندر) چالیس دن سے زیادہ نہیں ٹھہرا۔ (لہٰذا تمہارا سلام کرنا صحیح نہیں ہے)

وفيه بحث من وجوه أما أولا فلأن عبدالرزاق نفسه عقبه بحديث مررت بموسى وهو قائم يصلي في قبره إشارة لرد ذلك ويشير إليه قوله ﷺ إن الله حرّم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء كذا في الخلاصة. وأما ثانيا فلأنه لم يعلم صحته وبعد فرض صحته ليس مما يحتج به. وأما ثالثا فلما في الجوهر المنظم أنه لا أصل له فمن ثم لم يعول العلماء عليه وأجمعوا على خلافه أن الأنبياء أحياء في قبورهم على أنه قد جاء عن ابن المسيب مايرده قال كنت في المسجد حين خلا عن إقامة الصلاة أيام الحرة وما كنت أعلم دخول الأوقات إلا بسماع الأذان والإقامة من داخل القبر المكرم، انتهى مافي الجوهر المنظم.

اس (دلیل) میں کئی اعتبار سے خامی اور سقم ہے، پہلی وجہ تو یہ کہ خود عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس (اثر) کے بعد حدیث: ''مررت بموسى (ليلة أسرى بي) وهو قائم يصلي في قبره'' ذکر کر کے اس اثر کے مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد کہ ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (كذا في الخلاصة) دوسری وجہ یہ کہ اس اثر کی صحت معلوم نہیں (تعجب ہے کہ مصنف اس اثر کے اصل ماخذ پر جہاں یہ سند کے ساتھ مذکور ہے مطلع ہونے کے باوجود کیوں اس کی صحت سے لاعلمی کا اظہار کر رہے ہیں) اور اس کو صحیح فرض بھی کر لیں۔ تب بھی یہ اثر قابل استدلال نہیں ہے (کیونکہ صحیح مرفوع احادیث کے معارض

ہے) تیسری وجہ یہ کہ الجوہرالمنظم میں ہے کہ اس (حدیث) کی کوئی (قابل اعتماد) بنیاد نہیں ہے۔ اسی وجہ سے علماء کرام نے اس کو قابل اعتماد نہیں سمجھا اور اس (حدیث کے مضمون) کے مخالف (مضمون) پر اجماع کیا وہ (مخالف مضمون) یہ کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں (اجماع خود ہی ایک مستقل دلیل ہے کسی چیز کے مردود ہونے کے لئے وہ خود ہی کافی ہے، اسے کسی تائید کی ضرورت نہیں۔ یہاں تو خود سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے قول سے اس کی تائید) مستزاد ہے۔ (کیوں) کہ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے (دوسرا قول) وہ منقول ہے جو (ان کے) اس (قول مذکور) کو رد کرتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایام حرہ میں جب مسجد نبوی ﷺ میں نماز نہیں ہو پا رہی تھی میں مسجد نبوی ﷺ میں تھا اور مجھے (نمازوں کے) اوقات کا پتہ قبر مکرم کے اندر سے اذان اور اقامت کو سن کر ہی چلتا تھا۔ (اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر میں موجود ہیں۔ نماز کی باجماعت ادائیگی کے لئے اذان اور اقامت دیتے تھے) انتہیٰ ! مافی الجوھر المنظم!

ومنها ماروی عنه ﷺ أنه قال: أنا أكرم علی ربی من أن يتركنی فی قبری بعد ثلث انتهی. قال فی الخلاصة لا أصل له، وفی الجوهر المنظم إن صح فالمراد أنه لايترك لايصلی إلا هذا المقدار ثم يكون مصليا بين يدی الله تعالٰی وإن كان فی القبر انتهی.

۴..... اوران (غیرقابل استدلال دلائل) میں سے (چوتھی دلیل) یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری شان میرے رب کے ہاں اس سے بہت اونچی ہے کہ مجھے میری قبر میں تین دن کے بعد چھوڑے رکھے۔ انتہیٰ ! خلاصہ میں فرمایا کہ اس کی اصل نہیں ہے اور الجوہرالمنظم میں ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو (اس کا) مطلب یہ ہے کہ وہ نماز نہ پڑھنے کے لئے اتنی مقدار ہی چھوڑے جائیں گے۔ پھر (اس مدت کے بعد) اگرچہ (وہ) قبر میں ہوں گے (مگر) ان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز پڑھنی ہوگی۔ انتہیٰ !

ومنها مارواه الطبرانی عن أنس مرفوعا مامن نبی يموت فيقيم (فی قبره إلا[1]) أربعين صباحا حتی يرد الله تعالٰی إليه روحه انتهی قال ابن حبان إنه باطل وقال السيوطی له شواهد ترقيه إلی الحسن ذكره المناوی فی شرح الجامع الصغير، وفيه أن كون الحديث يترقی بكثرة الشواهد مختلف فيه.

۵...... اور ان (غیرقابل استدلال دلائل) میں سے (پانچویں دلیل) وہ حدیث ہے جس کو طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ ایسا کوئی نبی نہیں جو فوت ہو پھر وہ اس کو چالیس دن ہو جائیں۔ (پھر بھی اس میں روح واپس نہ ہو بلکہ چالیس دن کی مدت بھی نہیں گزر پاتی) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (اس سے پہلے ہی) اس کی طرف روح کو لوٹا دیتے ہیں۔ انتہیٰ ! ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے فرماتے ہیں کہ یہ (حدیث) باطل ہے اور (ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے برخلاف علامہ) سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (اللآلی المصنوعۃ میں) فرماتے ہیں کہ اس (حدیث) کے کئی

[1] قوله فی قبره إلا إلخ قلت نظرت فی لفظ الحديث فی مخارجها من مسند الشاميين للطبرانی، والتلخيص الحبير والصارم المنكی والطيوريات والبدر المنير فإذا فيها الحديث بزيادة قوله: فی قبره إلا: فلعله من غلط النساخ أو سهو من قبل المصنف فرحمه الله أبو عبيدة السندی

شواہد ہیں جو کہ اس کو درجہ حسن تک لے جاتے ہیں (جس سے یہ حدیث قابل استدلال ہو جاتی ہے اور) اس کو مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے (بھی) جامع صغیر کی شرح میں ذکر کیا ہے (کہ کئی شواہد ہیں جو کہ اس کو درجہ حسن تک لے جاتے ہیں) اور اس (بات کہ شواہد کی وجہ سے حدیث قابل استدلال ہو جاتی ہے) میں (یہ قابل توجہ) ہے کہ حدیث کا کثرت شواہد کی وجہ سے ترقی پانا (کوئی متفق علیہ مسئلہ نہیں ہے بلکہ) مختلف فیہ ہے۔

فقال علمائنا الحنفية المدار على قوة الأدلة لا على كثرتها كذا في إمعان النظر[1] وأما عند غيرهم ففيه تفصيل أيضا إذ من الضعف ما لا ينجبر بكثرة الطرق بالاتفاق كما نص عليه العراقي في شرح ألفيه، على أنه لا دلالة له على تحول الأجساد الشريفة عن قبورها، إذ معناه ما من نبي يموت فيمكث أربعين يوما إلا رد الروح عليه أي لا يتأخر رد الروح عليه عن زمان وفاته مقدار أربعين يوما بل إنما ترد عليه قبل ذلك فقوله "يموت" خبر "ما" وقوله "فيقيم" عطف عليه وقوله "حتى يرد" غاية للمنفي كما قالوا في قول عائشة رضي الله عنها فتلت قلائد هدي رسول الله ﷺ بيدي ثم قلدها رسول الله ﷺ بيديه ثم بعث بها مع أبي فلم يحرم على رسول الله ﷺ شيء أحله الله له حتى نحر الهدي، خرجه البخاري في صحيحه.

اس (لئے کہ) ہمارے علماء حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدار دلائل کی قوت پر ہے ان کی کثرت پر نہیں۔ کذا فی امعان النظر[2] اور (اختلاف صرف احناف ہی کا نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ) غیر احناف کے ہاں بھی اس میں تفصیل ہے۔ اس لئے کہ بعض ضعف ایسے بھی ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کی تلافی کثرت طرق سے نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ (علامہ) عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی الفیہ (نامی کتاب کی) شرح میں اس کی تصریح کی ہے۔ (کثرت شواہد کی وجہ سے ترقی پانے کے مختلف فیہ ہونے سے) قطع نظر (کریں اور اس کو متفق علیہ تسلیم کریں تب بھی یہ حدیث دعوی مذکور پر دلیل نہیں بن سکتی اس لئے کہ) یہ حدیث اجسام شریفہ کے اپنی قبور سے منتقل ہونے پر (سرے سے) کوئی دلالت (ہی) نہیں کرتی۔ اس لئے کہ اس کا مطلب (صرف یہ) ہے کوئی نبی ایسا نہیں جو وفات پائے پھر اس کو (حالت وفات پر) چالیس دن ہو جائیں، مگر اس پر روح لوٹا دی جاتی ہے۔ یعنی (نبی کی) روح کا اس کی طرف لوٹانا اس کی وفات کے وقت سے لے کر چالیس دن بھی مؤخر نہیں ہوتا، بلکہ اس سے پہلے ہی اس کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔ اس (پچھلی تفصیل کی) بناء پر رسول اللہ ﷺ کا قول یموت ''ما'' کی خبر اور رسول اللہ ﷺ کا قول ''فیقیم'' اس (خبر) پر عطف ہے۔ (اس لئے وہ بھی خبر ہے) اور رسول اللہ ﷺ کا قول ''حتیٰ یرد'' (حدیث میں) نفی کی (گئی چیز کی) انتہاء (کا بیان) ہے۔ جیسا کہ انہوں (شارحین حدیث) نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول (کا وہ حصہ جس کے نیچے لکیر ہے)

---

[1] هذا كتاب من تاليف العلامة القاضي محمد أكرم النصربوري السندي المتوفى بمكة من أعلام قرن الحادي عشر الهجري هو شرح النخبة قد طبع تحت أكاديمية الشاه ولي الله بحيدرآباد وقد أثنى عليه المخدوم محمد هاشم التتوي ومولانا عبد الحي اللكنوي والشيخ عبد الفتاح أبو غدة بحلب وغيرهم أبو سعيد السندي.

[2] امعان النظر یہ کتاب قاضی محمد اکرم النصر پوری السندی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جن کی وفات مکہ مکرمہ میں گیارھویں صدی ہجری میں ہوئی اور یہ شرح نخبۃ الفکر کی ایک شرح ہے جو کہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سے میری تحقیق کے ساتھ طبع ہو چکی ہے اور اس کی مخدوم ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ حلبی وغیرہم نے تعریف کی ہے۔ (ابوسعید السندی رحمۃ اللہ علیہ)

''فتلت قلائد هدى رسول الله بيدى ثم قلدها رسول الله ﷺ بيديه ثم بعث بها مع ابيها فلم يحرم على رسول الله ﷺ شيء احله الله له حتى نحر الهدى'' خرجہ البخاری فی صحیحہ میں فرمایا ہے۔

(قال الباجي في شرحه على الموطا المسمى بالمنتقى تريد أن كل شيء كان حلالا له قبل أن يبعث هديه فلم يحرم عليه من شيء ببعثه الهدى إلى أن نحر وهذه المدة التي يدعي فيها الامتناع من محظور الإحرام وأما بعد نحر الهدى فلا خلاف في الإباحة)

وبعد اللتيا والتي قد علمنا بالقطع أنه وضع جسده ﷺ في القبر في حجرة عائشة وفي صحيح مسلم أنه نصب عليه اللبن نصبا فلا يجزم بخروجه من القبر إلا بقاطع.

بہرحال (چونکہ یہ دلائل مدعائے مذکورہ کے یقینی ہونے کا فائدہ نہیں دیتے اور اس کے برخلاف یہ بات) ہمیں یقینی طور پر معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا جسد مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں (بنائی گئی) قبر میں رکھا گیا اور (جو بات) صحیح مسلم میں ہے کہ اس پر کچی اینٹیں بھی رکھی گئیں، (اگر چہ وہ متواترا یقینی نہیں ظن غالب کے درجہ میں یقینی ہے لیکن اس سے مقصد یقینی چیز کی حدیث صحیح سے تائید ہے جو اس سے حاصل ہو جاتی ہے لہٰذا) رسول اللہ ﷺ کے (اپنی) قبر سے نکلنے کا یقین بھی کسی دلیل قاطع کی بنیاد پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ (اور ایسی کوئی دلیل ہے نہیں)

وأما أخبار الأخيار في هذا الباب فكثيرة: منها ما أخبرني به أخي في الله وحبي لله الشيخ محمد فاخر[1] عن أبيه العارف بالله الشيخ يحيى النقشبندي الهندي رحمهما الله تعالى برحمته الواسعة أنه كان يقول أبي كثيرا أسأرى النبي في لحده الشريف ولا يحول بينه وبيني شيء.

واقعات

واقعہ نمبر ۱: باقی اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں کی باتیں اس (زیر بحث) مسئلہ میں بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جس کی خبر مجھے میرے دینی بھائی شیخ محمد فاخر نے اپنے والد عارف باللہ شیخ یحییٰ نقشبندی ہندی (رحمہما اللہ تعالیٰ برحمتہ الواسعۃ) کے بارے میں یہ دی کہ میرے ابا فرمایا کرتے تھے کہ میں کثرت سے نبی کریم ﷺ کو اپنی لحد شریف میں اس حال میں دیکھتا ہوں کہ میرے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کوئی آڑ نہیں ہوتی۔

منها ما نقل أنه لما حج القطب العارف بالله السيد أحمد الرفاعي[2] أنشد عند الحجرة النبوية لنفسه

---

[1] المراد منه الشيخ المحدث محمد فاخر بن محمد يحيى بن محمد أمين العباسي السلفي الإله آبادي ولد بمدينة إله اباد سنة عشرين ومأة وألف (۱۱۲۰ھ) أخذ الطريقة عن أبيه وتولى الشياخة بعده ثم سافر إلى الحرمين سنة تسع وأربعين فحج وزار وأخذ الحديث عن الشيخ محمد حيات السندي وقرأ عليه صحيح البخاري وثلثا من أول صحيح مسلم وأجازه محمد حيات إجازة عامة وكتب له غرة شعبان سنة خمسين ومأة وألف فعاد إلى الهند ومات يوم الأحد لإحدى خلون من ذي الحجة عشرة سنة أربع وستين مأة وألف (۱۱۶۴ھ) مدينة برهانبور هذا وإن شئت التفصيل فراجع إلى النزهة ج ٦ ص ۳۴۰ طبع الهند.

[2] المراد منه الشيخ أحمد بن علي بن يحيى الحسيني الرفاعي الأنصاري (۵۱۲، ۵۷۸ھ) صوفي تنسب إليه الطريقة الرفاعية من تصانيفه البرهان ومعاني بسم الله الرحمن الرحيم، تفسير سورة القدر، الطريق إلى الله وحالة أهل التحقيق مع الله وشرح التنبيه في فروع الفقه الشافعي والنظام الخاص لأهل الاختصاص راجع معجم المؤلفين لعمر رضا كحالة ج ۲ ص ۲۵.

فی حالة البعد روحی كنت أرسلها تقبل الأرض عنی و هی نائبتی
وهذه دولة الأشباح قد حضرت فامدد يمينك كی تحظی بها شفتی

فعند ذلك خرجت اليد الشريفة فقبلها.

واقعہ نمبر ۲: اور ان میں سے (دوسرا واقعہ) وہ ہے جو عارف باللہ سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کے (متعلق) منقول ہے کہ جب انہوں نے حج کیا تو حجرہ نبویہ کے پاس اپنے (درج ذیل) اشعار پڑھے۔

ترجمہ: یعنی حالتِ بُعد میں اپنی روح کو بھیجتا تھا تا کہ وہ میری طرف سے میری نائب ہو کر زمین کا بوسہ لے اور یہ لوگوں (جن میں خود بھی شامل ہوں، یہ کمال تواضع ہے) کی باری آگئی ہے تو رسول اللہ ﷺ اپنا دایاں ہاتھ بڑھائیں تا کہ اس سے میرے ہونٹ سعادت مند ہوں۔

پھر اس وقت (رسول اللہ ﷺ کا) ہاتھ مبارک نکلا تو انہوں نے اس کا بوسہ لیا۔

منها ما نقل عن ولی الله الشيخ أبی بكر الشاذلی أنه كان فی الصلاة فلما قال فی التشهد: السلام عليك أيها النبی ورحمة الله وبركاته كشف له عن الحجرة النبوية فرأى النبی ﷺ يقظة وهو يقول: وعليك السلام ورحمة الله وبركاته يا أبابكر.

واقعہ نمبر ۳: اور ان میں سے (تیسرا واقعہ) وہ ہے جو شیخ ابی بکر شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے (متعلق) منقول ہے کہ وہ نماز میں تھے جب تشہد میں السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ پڑھا تو ان کے لئے حجرہ نبویہ سے رسول اللہ ﷺ منکشف ہوئے۔ پس انہوں نے رسول ﷺ کو (اپنی حالت) بیداری میں دیکھا اور رسول اللہ ﷺ وعليك السلام ورحمة الله وبركاته يا ابابكر فرما کر (سلام کا) جواب ارشاد فرما رہے تھے۔

فائدة: قد أفادنی بعض المشائخ أن من واظب على مراعاة الحضور عند سلام التشهد فيحضره ﷺ ويرى نفسه كأنه بين يديه فيخاطبه بقوله السلام عليك أيها النبی ورحمة الله وبركاته فإنه يتشرف إن شآء الله تعالى برؤيته ﷺ فی المنام.

خواب میں زیارت کا وظیفہ

(فائدہ) بعض مشائخ نے مجھے بتایا کہ جو شخص تشہد میں السلام علیک......الخ! پڑھنے کے وقت حضور قلب کی پابندی کرے اور (ہر تشہد میں) نبی ﷺ کو تصور میں حاضر خیال کرے اور اپنے کو یوں خیال کرے گویا وہ نبی ﷺ کے سامنے ہے۔ اس لئے نبی ﷺ کو السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ کہہ کر مخاطب ہوں تو ان شاء اللہ وہ شخص خواب میں نبی ﷺ کی زیارت کا شرف پائے گا۔

فائدة: رؤيته ﷺ يقظة ممكنة كما جزم به ابن العربی المالكی[1] فی قانون التأويل وغيره بل واقعة كما شهد به العدول إلا أنه ﷺ إذا رأى فی قبره فالمرئی جسده الشريف حقيقة وإذا رأى فی غير القبر فالمرئی هو الروح المتشكل لا جسده الأصلی وإلا يلزم خلو القبر عن الجسد الشريف إلا إذا قيل بطی الأرض وهو ممكن كما سيجیئ

[1] هو القاضی أبوبكر محمد بن عبدالله الأشبيلی المالكی المعروف بابن العربی الحافظ المتوفی سنة (۵۴۲ھ) ست وأربعين وخمس مأة راجع الكشف ج ۲ ص ۲۱۵ الطبعة الأولی.

بیداری میں زیارت کی بحث

(فائدہ): رسول اللہ ﷺ کو (حالت) بیداری میں دیکھنا ممکن ہے۔ جیسا کہ ابن العربی مالکی ؒ نے (اپنی کتاب) قانون التاویل میں (ان کے علاوہ) دوسرے علماء نے (اپنی کتابوں میں) اس (کے ممکن ہونے) کو یقینی بتایا ہے بلکہ وہ (صرف ممکن ہی نہیں) واقع بھی ہے۔ جیسا کہ کئی پابند شرع لوگوں نے اس کی گواہی دی ہے۔ (ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ) نبی ﷺ جب اپنی قبر میں نظر آئیں تو نظر آنے والی چیز نبی ﷺ کا حقیقی جسم ہے اور جب قبر کے علاوہ (کسی دوسرے مقام) میں نظر آئیں تو (نظر آنے والی چیز نبی ﷺ کا حقیقی جسم نہیں بلکہ وہ) روح ہے جس نے (جسم والی) شکل (اختیار کر) لی ہے، (یہی سمجھنا پڑے گا) نہیں تو (خلاف عقیدۂ اہل اسلام یہ) ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ ﷺ کا جسم مبارک قبر میں نہیں ہے۔ (کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا جسم مبارک ایک ہے نہ کہ دو، اس لئے ایک جگہ ہوگا تو دوسری جگہ نہیں ہوگا) لیکن اگر یہ کہا جائے کہ (دور سے زیارت کی صورت میں) زمین لپٹ اور سکڑ جاتی ہے (تو بھی نظر آنے والی چیز نبی ﷺ کا حقیقی جسم ہوگا اور روح کے شکل اختیار کرنے والی تاویل کی ضرورت نہیں ہوگی) اور یہ (زمین کا لپٹنا اور سکڑنا) ممکن ہے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔

وهو الذي جزم به الشعراني في كتابه المسمى بالأخلاق المتبولية على السنة المحمدية، وقال كان يقول سيدي محمد المغربي شيخ السيوطي: المراد باليقظة انكشاف الحجاب عن القلب بطي المسافة بينه وبين رسول الله ﷺ حتى يصير جليسه وهو في قبره ﷺ الشريف قال: وهذا هو الحق الصراح وإن كان الكامل يراه ملأ الوجود فلا يوجد نور شريعته في مكان إلا وهو ﷺ حاضر فيه هكذا يدركه أهل الكشف وكثير من الصوفية يرون أنه صورته المثالية وقد أثبتوا عالما متوسطا بين عالم الأجساد والأرواح وسموه عالم المثال وقالوا هو ألطف من عالم الأجساد وأكثف من عالم الأرواح وبنوا على ذلك تجسد الأرواح وظهورها في صور مختلفة من عالم المثال وإمكان رؤيته ﷺ في غير قبره يقظة واستأنسوا الذلك بقوله فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا وقالوا كان روح جبرئيل عليه السلام في ذلك الوقت المعين مدبرة لشبحه الأصلي ولهذا الشبح المثالي.

اور علامہ شعرانی ؒ نے تو الاخلاق المتبولیۃ علی السنۃ المحمدیۃ نامی اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ یہی (دور سے زیارت کی صورت میں زمین کا لپٹنا اور سکڑنا) متعین ہے اور (مذکورہ کتاب کے الفاظ یہ ہیں) فرمایا کہ میرے شیخ محمد مغربی (جو علامہ) سیوطی ؒ کے (بھی) شیخ تھے فرمایا کرتے تھے کہ بیداری سے مراد (زیارت کرنے والے کے) دل سے دوری کے احساس کو اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان فاصلے کو لپیٹنے اور سکیڑنے کے ذریعے ختم کرنا ہے۔ یہاں تک کہ یہ آدمی رسول اللہ ﷺ کا ہم نشین بن جاتا ہے۔ حالانکہ (یہ آدمی اپنے علاقہ میں ہے اور) رسول اللہ ﷺ اپنی قبر مبارک میں ہیں۔ (مذکورہ بات ذکر کر کے شعرانی) کہتے ہیں۔ یہ خالص حق بات ہے۔ اگرچہ شریعت کا مکمل تابعدار رسول اللہ ﷺ کے متعلق (مذکورہ بات سے بھی بڑھ کر یہ) سمجھتا ہے کہ انہوں نے

کائنات کو بھر دیا ہے۔ اس لئے کہ جس جگہ بھی رسول اللہ ﷺ کی شریعت کا نور پایا جاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ اس جگہ موجود ہوتے ہیں۔ اہل کشف کو اسی طرح نظر آتا ہے۔ (دور سے زیارت کی صورت میں یہ تو ہے شعرانی کا نظریہ، اس کے برخلاف علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ) بہت سے صوفیاء اس (نظر آنے والی چیز) کو ان (نبی ﷺ) کی صورت مثالیہ (فوٹو کاپی) سمجھتے ہیں اور (ان صوفیاء کے اس نظریہ کی) حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے (دو عالموں) عالم الاجساد اور عالم الارواح کے درمیان ایک (تیسرا عالم بھی) ثابت مانا ہے اور اس کو عالم المثال کا نام دیا ہے اور انہوں نے (اپنے نظریہ کی تشریح میں) کہا کہ یہ (عالم المثال) عالم الاجساد (جو کافی ٹھوس ہوتا ہے) سے زیادہ نرم اور عالم الارواح (جو بالکل نرم ہوتا ہے) سے زیادہ ٹھوس ہوتا ہے اور انہوں نے روحوں کے جسم والی صورت اختیار کرنے اور عالم الامثال کے اندر ان (روحوں) کے مختلف صورتوں میں ظاہر ہونے کی اور قبر کے علاوہ (کسی دوسرے مقام) میں بحالت بیداری رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے ممکن ہونے کی بنیاد (اپنے) اسی (نظریہ عالم المثال) پر رکھی ہے اور (چونکہ نظریہ عالم المثال ایک اجنبی نظریہ ہے۔ اس لئے اس کی اجنبیت دور کرنے کی کوشش یوں کی ہے کہ) اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''فتمثل لها بشرا سويا'' سے (اس کی) مانوسیت پیدا کی ہے (کہ ہمارا نظریہ بھی اسی سے ملتی جلتی چیز ہے۔ لہٰذا اس سے اجنبیت نہ ہونی چاہئے) اور (باقی جبرئیل علیہ السلام کی صورت مثالیہ اور فوٹو کاپی حرکت، بات چیت کیسے کررہی تھی؟ اس کے جواب میں) انہوں نے (یوں) کہا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کی روح خاص اس وقت میں (جب مریم علیہا السلام کو نظر آئے) اپنی اصلی جسم اور اس فوٹو کاپی جسم دونوں میں کام کررہی تھی۔

وأجابوا به عن ما قيل: أين كان يذهب جسمه الأول الذي سد الأفق بأجنحته لما ترأى للنبي ﷺ في صورته الأصلية عند إتيانه إليه في صورة دحية فقالوا إن جسمه الأول كان بحال لم يتغير وقد أقام الله له شبحا آخر، وروحه تتصرف فيهما جميعا في وقت واحد ورأوا هذا أحسن من الجواب بأنه يجوز أنه يندمج بعضه في بعض إلي أن يصغر حجمه حتي يصير بقدر دحية ثم يبسط إلي أن يصير كهيئته الأولى وعلى هذا حملوا حج الأنبياء عليهم السلام وتلبيهم بعد موتهم وأنه ﷺ وجدهم في المسجد الأقصى ثم وجد بعضهم في السماوات لكن الأشباح التي وجدها في السماوات هل التي وجدها أولا في المسجد وسبقته إلي السماوات فوجدها فيها ثانيا أو غيرها يحتمل ويحتمل, والله تعالى أعلم.

اور یہ اعتراض کہ اس (جبرئیل علیہ السلام) کا جسم اوّل جس نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہونے کے وقت اپنے پروں سے افق کو چھپا رکھا تھا۔ اس وقت کہاں تھا جب وہ نبی کریم ﷺ کے پاس حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں آئے تھے؟ کا جواب بھی انہوں نے اپنے اس نظریہ (عالم المثال) سے یوں دیا ہے کہ ان کا پہلا (یعنی اصلی) جسم (بدستور) اپنی حالت پر تھا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ (جیسا تھا ویسے ہی تھا) اور اللہ تعالیٰ نے ان کا دوسرا ڈھانچا (بصورت دحیہ) بنایا اور ان (جبرئیل علیہ السلام) کی روح ایک ہی وقت میں دونوں (جسموں) کے اندر کام کررہی تھی اور انہوں نے (اپنے) اس جواب کو اس جواب سے کہ ممکن ہے کہ ان (جبرئیل علیہ السلام) کا جسم (نبی کریم ﷺ کے پاس آنے کے وقت) خود اپنے رسول اللہ ﷺ میں گھس گھس کر دحیہ رضی اللہ عنہ

جتنا چھوٹا ہوگیا۔ پھر (ملاقات کے بعد) پھیل کر پہلی ہیئت (جتنا) ہوگیا، کے مقابلہ میں اچھا قرار دیا ہے اور انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے اپنی وفات کے بعد حج اور تلبیہ کہنے کو اور (اس بات) کو بھی کہ نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات مسجد اقصیٰ میں سب انبیاء علیہم السلام کو اور آسمانوں میں کچھ انبیاء کو پایا (اور واقعہ معراج بالیقین انبیاء علیہم السلام کی وفات کے بعد ہوا) (اپنے) اسی نظریہ (عالم المثال) پر محمول کیا ہے۔ لیکن جن شخصیتوں کو آسمان میں دیکھا گیا (وہ شخصیتیں بعینہٖ) وہی تھیں؟ جن کو پہلے مسجد اقصیٰ میں پایا تھا اور وہ (چونکہ) آسمان میں رسول اللہ ﷺ سے پہلے آگئی تھیں (اس لئے) رسول اللہ ﷺ نے ان کو وہاں دوبارہ پایا، یا (وہ شخصیتیں بعینہٖ وہی نہیں تھیں بلکہ وہ) دوسری (ان کی صورت مثالیہ اور فوٹو کاپیاں) تھیں دونوں (محض) احتمال ہیں (کوئی یقینی بات نہیں) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

وبه أجابوا عما قيل: إن الجَنَّة التي عَرْضُهَا السَّماوات وَالْأَرْضِ كيف رأها النبي ﷺ في عرض الحائط حتى تقدم إليها في صلاته ليختطف منها عنقودا على ما في الصحيح ذكره السيوطي في المنجلي وعزاه إلى علاء الدين القونوي في تأليف له يسمى الإعلام بإلمام الأرواح بمحل الأجسام[1]

اور یہ اعتراض کہ نبی کریم ﷺ نے جنت کو جس کی چوڑائی ساتوں آسمانوں اور زمین جتنی ہے، کیسے اس دیوار کی چوڑائی میں دیکھ لیا (جس کی چوڑائی محض چند فٹ تھی اعتراض اس لئے ہے کہ وسیع چیز تنگ چیز میں نہیں سما سکتی، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ صرف جنت کی منظر کشی تھی جس کو دیوار کی چوڑائی میں کمپیوٹر کی اسکرین میں دیکھنے کی طرح) دیکھنا ممکن ہے وہ بلکہ حقیقی جنت تھی) تبھی تو رسول اللہ ﷺ اس کی طرف اپنی نماز میں بڑھے تاکہ اس میں سے ایک خوشہ توڑ لیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے (مذکورہ اعتراض) کا جواب بھی اپنے اس نظریہ (عالم المثال) سے دیا ہے جس کو سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''المنجلی'' (فی تطور الولی جو الحاوی للفتاویٰ کا ایک رسالہ ہے اور مذکورہ عبارت اسی کتاب سے مختصر تبدیلی کر کے لی گئی ہے) میں ذکر کیا ہے اور اس کو علاء الدین القونوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ان کی ایک تالیف جس کا نام الاعلام بالمام الارواح بمحل الاجسام ہے میں منسوب کیا ہے۔

روى البخاري في صحيحه بسنده عن النبي ﷺ قال: لما كذبني قريش قمت في الحجر فجلى الله لي بيت المقدس فطفقت أخبرهم عن آياته وأنا أنظر إليه، وفي رواية للبزار فجيئ بالمسجد وأنا أنظر إليه حتى وضع عند دار عقيل فنعيته وأنا أنظر إليه قال الحافظ: ولا استحالة فيه فقد أحضر عرش بلقيس في طرفة عين لسليمان، وهو يقتضي أنه أزيل من مكانه ويحتمل أن يقال جيئ بمثاله انتهى.

(لیکن اس جیسے مسائل میں شعرانی کا طی الارض والا نظریہ راجح ہے اس لئے کہ) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اپنی سند کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا جب قریش نے مجھے (معراج کے سلسلہ میں بیت المقدس جانے والی بات میں) جھوٹا کہا (اور کہا کہ اگر تو سچا ہے تو یہ بتا کہ وہ کیسا ہے) تو میں حجر (حطیم کعبہ) میں کھڑا تھا، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے میرے لئے بیت المقدس کو (رکاوٹیں مثلاً بعد مسافت وغیرہ ختم کر کے سامنے) ظاہر کر دیا، پھر تو میں بیت المقدس کو دیکھ دیکھ کر ان کو اس کی نشانیاں بتلانے لگا اور بزار کی روایت

[1] قلت إن الشيخ الجلبي قد ذكر اسم هذا الكتاب فقط الإعلام بإلمام الأرواح بمحل الأجسام ولم يذكر اسم مؤلفه ولا شيئا من أحوال هذا الكتاب راجع كشف الظنون ج ۲ ص ۱۲۵ الطبعة الأولى.

(میں تو ظاہر کرنے کی کیفیت کا بھی بیان) ہے کہ مسجد (اقصیٰ) کو لایا جارہا تھا تو (اس وقت بھی) میں اسے دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ (لاکر) عقیل کے گھر کے پاس رکھ دی گئی۔ پھر (جب) میں نے اس کی اوصاف بیان کیں تو بھی میں اسے دیکھ رہا تھا۔ حافظ (ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا یہ (بیت المقدس کو لائی جانے والی بات) محال بالکل نہیں ہے۔ اس لئے کہ بلقیس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے آنکھ جھپکنے جتنی دیر میں حاضر کردیا گیا تھا۔ (جب وہ محال نہیں تو یہ کیسے ہوگا لیکن بیت المقدس کو لائے جانے والی بات اس بات کا) تقاضا (ضرور) کرتی ہے کہ وہ اپنی (اصلی) جگہ موجود نہ ہو اور (اگر کہا جائے کہ اپنی اصلی جگہ موجودگی کے ساتھ یہاں بھی نظر آئے تو وہ) احتمال ہے (وہ اصل بیت المقدس نہ ہو بلکہ) اس کی مثالی صورت کو لایا گیا ہو۔ انتہیٰ!

ورجح الوجه الثاني بأن أهل بيت المقدس لم يفقدوه في بلدهم تلك الساعة ولو فقدوه لشاع نقله وفيه أن هذا إنما كان في زمان يسير فيحتمل أنه إذ ذاك شغلوا بأمر ولم ينتبهوا له، والله تعالى أعلم!

اور (میں مصنف کہتا ہوں کہ ابن حجر نے مذکورہ دونوں صورتوں میں سے) دوسری صورت کو ترجیح دی ہے اس کی دلیل یہ دی ہے کہ بیت المقدس کے باشندوں نے اس (بیت المقدس) کو اس وقت (بھی) اپنے شہر میں غیر موجود نہیں پایا (جب اس کو مکہ لے جایا گیا بلکہ وہ بدستور اس وقت بھی وہاں موجود تھا) اگر وہ اس کو وہاں موجود نہ پاتے تو یہ بات (حیران کن اور خلاف معمول ہونے کی وجہ سے ضرور) مشہور ہوتی۔ (حالانکہ ایسی کوئی بات مشہور نہیں ہے۔ مصنف فرماتے ہیں کہ ابن حجر کی) اس (دلیل) میں یہ (خامی) ہے کہ (اس میں اس بات کو بالکل نظر انداز کیا گیا ہے کہ اپنی جگہ سے بیت المقدس کی) یہ غیر موجودگی بہت ہی مختصر وقت میں واقع ہوئی تھی۔ اسی لئے (عین) احتمال ہے کہ وہ ضرور کسی نہ کسی کام میں مشغول تھے اور (اسی لئے) ان کو اس کی غیر موجودگی کا احساس نہ ہوسکا) واللہ اعلم!

قال اليافعي: ومن ذلك ما اشتهر أن الكعبة المعظمة شوهدت تطوف بجماعة من الأولياء في أوقات في غير مكانها ومعلوم أنها في مكانها لم تفارقه في تلك الأوقات، انتهى!

یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: وہ بات جو مشہور ہے کہ کعبہ شریف کا (ایک وقت نہیں بلکہ) کئی اوقات میں (وہ بھی مکہ میں نہیں بلکہ) دوسری جگہوں میں مشاہدہ کیا گیا کہ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی ایک جماعت کے ذریعے اس کا طواف کیا جارہا تھا۔ حالانکہ یہ بات یقینی ہے کہ وہ اپنی جگہ (ہی) میں تھا (اور) ان اوقات میں (جن میں دوسری جگہوں میں دیکھا گیا مکہ معظمہ میں) اپنی جگہ سے جدا نہیں ہوا۔ اسی (صورت مثالی کے واقعات) میں سے ہے۔ انتہیٰ!

و قال ابن السبكي في طبقات الكبرى: الكرامات أنواع إلى أن قال: الثاني و العشرون التطور بأطوار مختلفة وهو الذى تسميه الصوفية بعالم المثال، انتهى!

اور ابن سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی طبقات کبریٰ (نامی کتاب) میں فرمایا کہ کرامات کی کئی اقسام ہیں (پھر وہ اقسام بیان کرتے ہوئے اکیس اقسام بیان کیں) یہاں تک کہ فرمایا (کہ کرامت کی) بائیسویں (قسم) مختلف صورتوں (اور شکلوں) میں ظاہر ہونا ہے اور اسی کو صوفیاء رحمۃ اللہ علیہم عالم مثال کا نام دیتے ہیں۔ انتہیٰ!

ذكر القاشاني في الاصطلاحات: إنما سمي الأبدال أبدالا لأنهم يرحلون إلى مكان ويقيمون في مكانهم الأول شبحا بدلا انتهى.

اور قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے اصطلاحات میں ذکر کیا ہے ابدال کو ابدال صرف اس لئے کہتے ہیں کہ وہ (اپنے اصلی جسم کے ساتھ) کسی (نئی) جگہ کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور وہ اپنی شخصیت مثالی (اور فوٹو کاپی) کی صورت میں جو (اصلی شخصیت کا) بدل ہوتی ہے پہلی جگہ میں بھی برقرار رہتے ہیں۔

ومنه ما حكي أن الشيخ مفرج الدماميلي رآه بعض أصحابه يوم عرفة بعرفة ورآه آخر في مكانه في زاويته بدماميل لم يفارقه في جميع ذلك اليوم فلما رجع الحاج ذكر كل واحد منهما لصاحبه وتنازعا في ذلك وحلف كل بالطلاق فاختصما إليه فأقرهما وأبقى كلا منهما على زوجته فسئل عن سببه مع أن صدق كل يوجب حنث الآخر فقال الشيخ لأصحابه قولوا أنتم في توجيه هذا الحكم، فوجه كل بما بدا له إلى أن قال أحدهم: إن الولي يتمكن من التطور بصور عديدة فقال الشيخ هذا هو الصحيح ذكره السيوطي في كتاب المنجلي في تطور الولي، ونقله الأنبابي في رسالته وقال: قد وقعت هذه المسئلة بعينها في زمن الشيخ الإسلام شرف الدين البازي فأفتى فيها بعدم الطلاق أيضا، قال: وهذا يؤيد ما قاله الصوفية: إن شبح النبي أو الولي أو الملك ليس غيره بل هو عينه . ولذا قال ﷺ على ما في الصحيح هذا جبرئيل جاء يعلم الناس دينهم لكن لا يتعلق الثواب والعقاب بتلك الأمثال والأشكال وإنما يتوجهان إلى الهيكل الأصلي الأنساني انتهى.

اور (یہ) جو منقول ہے کہ شیخ مفرج الدمامیلی کہ ان کو اپنے ایک دوست نے نویں ذی الحج کے دن عرفات (کے میدان) میں دیکھا اور دوسرے نے ان کو اپنی جگہ دمامل کے اندر اپنی خلوت گاہ میں دیکھا۔ اس پورے دن میں (شیخ مفرج نے) اس (خلوت گاہ) کو نہیں چھوڑا (اور وہیں رہے) جب حج کرنے والا (دمامل میں) لوٹ آیا تو ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی سے اس (شیخ مفرج کی ایک ہی دن میں دو مختلف جگہوں عرفات اور دمامل میں موجودگی) کا ذکر کیا اور ہر ایک اپنے (سچے ہونے اور دوسرے کے جھوٹے ہونے میں) ایک دوسرے سے کھینچا تانی کرنے لگا اور (بات یہاں تک بڑھی کہ) ہر ایک نے (اپنے جھوٹے ہونے کی صورت میں بیوی کو) طلاق ہونے کی بات کرلی دونوں حضرات (اپنا جھگڑا حل کے لئے) ان (شیخ مفرج) کے پاس لے آئے تو شیخ نے ان دونوں کو (اپنے اپنے دعوے میں) سچا قرار دیا اور ان میں سے ہر ایک کو اپنی زوجہ پر (بدستور شوہر) باقی رکھا۔ (کیونکہ ہر ایک سچا تھا اس لئے طلاق واقع نہیں ہوئی) اور (جب شیخ نے دونوں کے سچا ہونے کا فیصلہ سنایا تو) ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی (کہ کیوں دونوں کی بیویوں کو طلاق نہ ہوئی) حالانکہ ان دونوں میں کسی ایک کی سچائی دوسرے کے (جھوٹے ہونے کی وجہ سے) قسم ٹوٹنے کو لازم ہے (جس سے اس کی بیوی کو طلاق پڑ جانی چاہئے) تو شیخ نے اپنے دوستوں سے فرمایا کہ تم ہی (دونوں کے سچے ہونے کے میرے) اس فیصلہ کی وجہ بیان کرو تو ہر ایک نے اس کی توجیہہ میں جو اس کو سوجھا وہ بیان کیا۔ یہاں تک کہ (جب) ان میں سے ایک نے (اس کی توجیہ میں یہ) کہا کہ ولی متعدد روپ اختیار کرنے پر (منجانب اللہ) قادر ہے تو شیخ نے فرمایا کہ یہ ہی صحیح ہے اسی (صورت مثالی کے واقعات) میں سے ہے۔ اس (واقعہ) کو سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''المنجلی فی تطور

الولی'' میں ذکر کیا ہے اور اس (واقعہ) کو انبابی نے (بھی) اپنے رسالہ میں نقل کیا اور فرمایا کہ تحقیق بعینہ یہی مسئلہ شیخ الاسلام شرف الدین البازی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں (بھی) پیش آیا تو انہوں نے بھی عدم طلاق کا فتویٰ دیا۔ (انبابی نے مزید کہا کہ) صوفیاء رحمہم اللہ جو یہ کہتے ہیں کہ نبی، ولی یا فرشتہ کی شخصیت (کسی دوسری صورت میں نظر آئے تو وہ نبی، ولی یا فرشتہ سے) کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ (وہ دوسری صورت) بعینہ وہ ہی (نبی، ولی یا فرشتہ) ہے، کی بھی اس (واقعہ) سے تائید ہوتی ہے۔ (کیونکہ شیخ مفرج ان دونوں کو جس بھی شکل میں نظر آئے بذات خود تھے) اور اسی وجہ سے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ یہ جبرئیل تھے لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔ (ان کو جبرئیل فرمایا حالانکہ وہ اپنی اصلی شکل نہیں بلکہ انسانی روپ میں آئے تھے اس کی وجہ وہی ہے کہ روپ، اصل شخصیت سے کوئی الگ چیز نہیں) لیکن ثواب اور سزا ان امثال و اشکال کو نہیں ہوتی بلکہ وہ دونوں صرف انسان کی اصلی شخصیت کو ملتے ہیں۔ (انتہیٰ)

أقول: كأنهم اختاروا أن الإنسان هو الروح وهو واحد في ذاته لايتعدد بتعدد القوالب والأشكال وهذا هو الذي اختاره البيضاوي في تفسير قوله تعالى بل أحياء عند ربهم وقد رجحنا خلافه، فراجعه.

(میں مصنف کہتا ہوں کہ) گویا کہ ان (انبابی کے ذکر کردہ صوفیاء رحمہم اللہ) نے (انسان کے متعلق اس نظریہ کو اختیار نہیں کیا کہ انسان روح اور جسم کے مرکب کا نام ہے بلکہ اس کے برخلاف اس نظریہ کو) اختیار کیا ہے کہ انسان صرف روح (کا نام) ہے اور وہ (روح) اپنی ذات میں ایک ہوتی ہے۔ سانچوں اور شکلوں کی تعداد بڑھنے سے اس (ایک روح) کی تعداد (تقسیم ہو کر) نہیں بڑھتی اور اسی مذہب کو بیضاوی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ''بل احیاء عند ربھم'' کی تفسیر میں اختیار کیا ہے اور ہم نے اس کے خلاف (دوسرے مذہب) کو ترجیح دی ہے (کہ انسان روح اور جسم دونوں کے مرکب کا نام ہے) (اگر اس کو دیکھنا چاہیں) تو دیکھ لیں۔

وأما الاستدلال بقوله ﷺ "هذا جبرئيل" ففيه أنه يحتمل أنه كان إذ ذاك مندمجا بعضه في بعض أو كان الزائد محجوبا عن البصر أو كان هذا الإطلاق مجازا بقرينة علم المخاطبين ومع هذا فلا يخلو القول بأن شبح الولي عينه عن تسامح ولو قال إن الولي الظاهر في هذا اللباس عين الولي الظاهر في ذلك اللباس لكان متجها على رأيهم. على أنا نقول إن اتجاه الفتيا المذكورة لايتوقف على القول بأن شبح الشخص عينه إذ يحتمل بناؤها على ما تقرر أن جزم الإنسان مقيد بعلمه عند الإمام الشافعي فمراد الحاج أنه رأى بعرفة شخصا في علمه أنه الشيخ وإلا فزوجته طالق ومراد الثاني أنه رأى بالزاوية شخصا في علمه أنه الشيخ وإلا فزوجته طالق وإلا فقد كان كل منهما مجوزا لأن يخلق الله على صورة الشيخ شخصا آخر إذ القدرة صالحة لكل شيء أراده الله فكل منهما بار بيمينه. وبهذا وجه ما ذكره البخاري من قوله ﷺ في حديث ذي اليدين: لم أنس ولم تقصر ولهذا نظائر فقول الأنبابي إن هذا يؤيد ما قاله الصوفية فيه ما فيه هذا.

باقی رسول اللہ ﷺ کے فرمان ''ہذا جبرئیل'' سے (اس بات پر استدلال کرنا کہ نبی، ولی یا فرشتہ کی دکھائی

دینے والی شکل وصورت بعینہٖ نبی، ولی یا فرشتہ ہے، میں (یہ خامی ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کا بصورت آدمی جبریل کو جبریل کہنا احتمال سے خالی نہیں ہے بلکہ اس میں) احتمال ہے (بصورت آدمی جبریل کو جبریل صرف اس لئے کہا وہ واقعتاً بھی جبریل تھے باقی رہا یہ سوال کہ جبریل تو بڑے جسم والے ہیں وہ چھوٹے سے جسم کے اندر کیسے نظر آسکتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے) کہ یہ ممکن ہے (اس طرح) کہ ان کا (جسم کا) کچھ حصہ (باقی بچے) کچھ حصے میں گھس گیا ہو یا (جسم کے نظر آنے والے حصے کے علاوہ) زائد (حصہ) آنکھوں سے پوشیدہ رکھا گیا تھا (ان دونوں صورتوں میں چھوٹے سے جسم کو جبریل کہنا حقیقت ہوگا اور مذکورہ استدلال غلط ہوگا) یا (اگر) مخاطبین کی معلومات (کہ یہ چھوٹا سا جسم جبریل نہیں ہے) کے قرینہ سے یہ (چھوٹے سے جسم کو جبریل کہنا) مجازاً تھا۔ (اور مبنی برمجاز دلیل سے دعویٰ حقیقت پر استدلال ویسے ہی غلط ہوگا، یہ اطلاق حقیقت ہو یا مجاز) بہرحال (بعض مشائخ کا) یہ قول کہ ولی کی (نظر آنے والی) صورت اس کا عین ہے، خطاء سے خالی نہیں۔ (کیونکہ اسپر دلیل منطبق نہیں ہے) اور اگر (علامہ انباؒ مذکورہ مشائخ کے مذہب کو بیان کرتے ہوئے یوں) کہتے کہ (ان کا مذہب یہ ہے کہ) جو ولی اس (مخصوص روپ) میں ظاہر ہے۔ بعینہٖ وہی ولی ہے جو اس (دوسرے مخصوص) روپ میں ظاہر ہوتا ہے تو یہ ان (مشائخ) کی رائے کے موافق ہوتا۔ مزید یہ کہ ہم یہ بات کہتے ہیں کہ مذکورہ (دو) فتووں کی توجیہ (اور تصحیح) کے لئے آدمی کی شکل (اور صورت) کو اس کا عین ماننا لازم نہیں ہے۔ کیونکہ یہ احتمال (موجود) ہے کہ ان (فتووں) کی بنیاد (آدمی کی شکل کو اس کا عین ماننے پر نہ ہو بلکہ) اس اصول پر ہو جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ثابت (اور مسلم) ہے کہ انسان کا یقین اس کی (اپنی) معلومات کا پابند ہے۔ (لہٰذا اس کے ساتھ معاملہ اس کے علم کے مطابق کیا جائے گا نہ کہ حقیقت اور واقعہ کے لحاظ سے) تو (اب اس اصول کا انطباق یوں ہوگا کہ) حج پر جانے والے (کی یہ بات کہ اس نے شیخ مفرج دمامیلی رحمۃ اللہ علیہ کو نویں ذی الحج کے دن عرفات کے میدان میں دیکھا ہے) کا مطلب یہ تھا کہ اس نے عرفات (کے میدان میں) ایک شخص کو دیکھا ہے۔ اس کی معلومات میں وہ شیخ (مفرج دمامیلی) ہی ہے اور اگر وہ (شیخ مفرج دمامیلی) نہ ہو تو اس کی بیوی کو طلاق ہے اور دوسرے (جس نے شیخ مفرج کو نویں ذی الحج کے دن اپنی جگہ، دمامل کے اندر اپنی خلوت گاہ میں دیکھا) کا مطلب یہ تھا کہ اس نے خلوت گاہ میں ایک شخص کو دیکھا ہے۔ اس کی معلومات میں وہ شیخ (مفرج دمامیلی) ہی ہے اور اگر وہ (شیخ مفرج دمامیلی) نہ ہو تو اس کی بیوی کو طلاق ہے۔ تو (دونوں کی ایک دوسرے کی تکذیب کا مدار دوسرے کے بیان کے اس کی معلومات کے مخالف ہونے پر ہے کہ تیسری بات میری معلومات کے مطابق صحیح نہیں ہوسکتی۔ اس وجہ سے نہیں کہ تیسری بات پر معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ قادر نہیں) کیونکہ اس کے بارے میں تو ان (دو) میں سے ہر ایک کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے شیخ مفرج دمامیلی کا ہم شکل ایک دوسرا شخص پیدا کرنا ممکن ہے۔ اس لئے کہ (اللہ تعالیٰ کی) قدرت ہر اس چیز کے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے جس کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے۔ (جب ہر ایک کے یقین کا مدار اس کی معلومات پر ہے) تو ان میں سے ہر ایک اپنی قسم میں سچا ہے۔ (لہٰذا کسی کی بیوی کو بھی طلاق نہیں ہوگی) اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ذوالیدین (جس کا واقعہ یہ ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بھول کر ظہر کی دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

استفسار کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! رسول اللہ ﷺ بھول گئے ہیں یا نماز میں دو رکعت کی کمی ہوچکی ہے) میں جو رسول اللہ ﷺ کا فرمان ذکر کیا ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ استفسار کے جواب میں فرمایا) نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی کی گئی ہے، کی توجیہ بھی یہی کی گئی ہے (کہ رسول اللہ ﷺ کا بھول اور قصر کی نفی فرمانا اپنی معلومات کی بنیاد پر تھا اوراس کی کئی نظائر ہیں۔ (مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ) انبابی کے اس قول میں کہ بے شک یہ (فتوے) اس نظریہ کی تائید کرتے ہیں جس کے صوفیہ قائل ہیں، بڑی خامی ہے۔ یہ بات ذہن نشین کرلیں۔

و أما عند علمائنا الحنفية فيحنث في ثلثة، في الطلاق و العتاق و النذر و قولهم فيما عداها كقول الشافعي وهذا كله فيما إذا لم يقيد كلامه بنحو قوله "في علمي أو ظني" وأما إذا قيده في الذكر فلا حنث مطلقا بالاتفاق. وقد قيل يمكن رؤية الولي في آن واحد بمكانين بطريقين آخرين أيضا أحدهما أن يكون بطي المسافة فيرى كل من الرائيين المتباعدين الولي عنده وهو في بقعة واحدة إلا أن الله تعالى طوى الأرض ورفع الحجب فرأى كل أنه عنده فيظن أنه رأى في أمكنة متعددة وإنما هو في مكان واحد وهذا أحسن ما قيل في رفع بيت المقدس وقد عقد الشيخ خليل المالكي صاحب المختصر بطي الأرض بابا في كتابه الذي ألفه في مناقب شيخه عبدالله المتوفي.

(مذکورہ بالا مسئلہ میں طلاق کا واقع نہ ہونا امام شافعی ؒ کے ہاں ہے) باقی ہمارے علماء احناف کے ہاں تین مسائل یعنی طلاق، عتاق اور نذر میں، حانث ہوگا (اور قسم ٹوٹ جائے گی، طلاق اور آزادی واقع ہوجائے گی اور منت پوری کرنا لازم ہوگا) اور حنفیہ کا قول ان (مذکورہ تین مسائل) کے علاوہ (دیگر مسائل) میں امام شافعی ؒ کے قول کی طرح ہے اور یہ پوری تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ اس نے اپنے کلام کو "فی علمی وظنی" یا اس جیسی قید کے ساتھ مقید نہ کیا ہو۔ باقی جب اس نے اپنے کلام کو ان الفاظ میں مقید کردیا تو بالاتفاق کسی بھی مسئلہ میں حنث نہیں ہے (چاہے وہ تین مسائل یعنی طلاق، عتاق اور نذر ہوں چاہے دیگر مسائل) اور ایک قول ہے کہ ولی کو ایک ہی وقت میں دو جگہوں میں دیگر دو طریقوں سے دیکھنا بھی ممکن ہے ایک طریقہ ان میں سے یہ ہے کہ فاصلے کو لپیٹا (اور سکیڑا) جائے تو ایک دوسرے سے دور کے باوجود دو دیکھنے والوں میں سے ہر ایک ولی کو اپنے پاس دیکھے۔ حالانکہ وہ (دونوں کی جگہوں سے) ایک (علیحدہ) جگہ میں ہو۔ مگر (چونکہ) اللہ تعالیٰ نے زمین کو لپیٹ لیا اور رکاوٹیں اٹھالیں تو ہر ایک نے اس (ولی کو) اپنے پاس دیکھا۔ اسی لئے (اس ولی کے بارے میں) یہ گمان کیا جاتا ہے کہ اس کو متعدد جگہوں میں دیکھا گیا ہے۔ حالانکہ وہ صرف ایک جگہ میں ہے (نہ کہ متعدد جگہوں میں) اور یہ ان تمام توجیہات میں سے بہترین توجیہہ ہے جو کہ بیت المقدس کے اٹھائے جانے کے بارے میں کہی گئی ہے اور شیخ خلیل مالکی ؒ صاحب المختصر نے اپنی اس کتاب میں جس کو انہوں نے اپنے شیخ عبداللہ التوفی کے مناقب میں تالیف کیا ہے۔ "طی الارض" پر ایک باب باندھا ہے۔

و ثانيها أن يكون بعظم جثة الولي ونحوه بحيث يملأ الكون فيشاهد في كل مكان، ولا ينافيه رؤيته على صورته المعتادة فإن الله يحجب الزائد عن الأبصار. وقدرة الله صالحة لذلك كله وبهذا قرروا

شأن ملك الموت حيث يقبض من مات بالمشرق و من مات بالمغرب في ساعة واحدة و كذا منكر و نكير حيث يسئلان من قبر فيهما في ساعة واحدة.

دوسرا طریقہ یہ کہ ولی وغیرہ (جیسے کوئی مکان محترم مثلاً کعبہ معظمہ) کا جسم اتنا بڑا ہو جائے کہ وہ پوری کائنات کو بھر دے۔ اس لئے ہر جگہ اس کا مشاہدہ کیا جائے اور اس کا اپنی عام صورت پر نظر آنا اس (کے بڑے ہونے) کے منافی نہیں۔ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ (عام جسامت سے) زائد (حصے) کو آنکھوں سے اوجھل کر دے (اور وہ نظر نہ آئے) اور اللہ تعالیٰ کی قدرت (مذکورہ) ان تمام (چیزوں) کی صلاحیت رکھتی ہے اور علماء نے ملک الموت کی بھی یہی حالت قرار دی ہے (کہ اس کا جسم بھی بڑا ہو کر پوری کائنات کو بھر دیتا ہے) اس لئے کہ وہ ایک ہی گھڑی میں مشرق میں مرنے والے کا روح (بھی) قبض کرتا ہے اور مغرب میں مرنے والے کا روح (بھی) اور ایسے ہی منکر نکیر کی بھی یہی حالت قرار دی ہے (کہ ان کا جسم بھی بڑا ہو کر پوری کائنات کو بھر دیتا ہے) اس لئے کہ وہ ایک ہی وقت میں ان مردوں سے سوال کر لیتے ہیں جو مشرق و مغرب میں قبروں کے اندر دفن کئے گئے۔

قال الشيخ أبو العباس المرسي: إن لله ملكا يملأ ثلث الكون و ملكا يملأ ثلثيه و ملكا يملأ كله. لا يقال إذا كان أحدهم قد ملأ الكون كله فأين الآخران؟ لأن اللطائف لا تتزاحم كمثل سراج أدخلته بيتا فملأ البيت نوره و لو أتيت بعد ذلك بألف سراج يوسع ذلك البيت نورها انتهى.

شیخ ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ المرسی نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ایسا بھی ہے جو کہ پوری کائنات کے ایک تہائی حصہ کو بھر دیتا ہے اور ایک فرشتہ ایسا ہے جو کہ پوری کائنات کے دو تہائی کو بھر دیتا ہے اور ایک فرشتہ ایسا ہے جو کہ پوری کائنات کو بھر دیتا ہے۔ (یہاں پر یہ) اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ جب ان (فرشتوں) میں سے ایک نے (ہی) پورے عالم کو بھر دیا تو دوسرے دو کہاں ہیں؟ اس لئے کہ نرم چیزیں آپس میں نہیں ٹکراتیں۔ جیسے کسی چراغ کو گھر میں داخل کریں تو گھر کو اس کی روشنی بھر دے گی۔ اب اگر اس کے بعد ہزار چراغ (بھی) لائیں تو ان کا نور بھی اس گھر میں سما جائے گا۔ (انتہیٰ)

أقول: و بهذا يوجه قوله ﷺ أطت السماء و حق لها أن تئط و الذي نفس محمد بيده ما فيها موضع شبر إلا و فيه جبهة ملك ساجد يسبح الله و يحمده، رواه ابن مردويه و رواه الترمذي عن انس كذا في الجامع الصغير. و قال في النهاية: الأطيط صوت الأقتاب أي إن كثرة ما فيها من الملائكة قد أثقلها حتى أطت و هذا مثل و إيذان بكثرة الملائكة و إن لم يكن ثم أطيط و إنما أريد به تقرير عظمة الله تعالى. انتهى

میں (مصنف کہتا ہوں کہ) اور یہی توجیہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کہ: "آسمان چر چراتا ہے اور وہ چر چرانے میں حق بجانب ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اس (آسمان) میں ایک بالشت کے بقدر جگہ نہیں ہے، مگر اس میں سجدہ کرنے والے فرشتہ کی پیشانی ہے جو کہ اللہ کی حمد و تسبیح کرتا ہے۔" اس

---

[1] قلت و بعد هذا كتبت سطر و نسخ بالخط و هي هذه أقول و له باعث على هذا فإنه يمكن تحقيق الأطيط حقيقة و الله أعلم.

روایت کو ابن مردویہ نے نقل کیا ہے اور اس کو امام ترمذی نے حضرت انس ؓ سے روایت کیا ہے۔ کذا فی جامع الصغیر اور ابن الاثیر نے (اپنی) النہایۃ (نامی حدیث کے غیر معروف الفاظ کی وضاحت کرنے والی کتاب میں لفظ) الاطیط کی وضاحت صوت الاقتاب والے الفاظ سے کی ہے۔ (پھر خود اس کی تشریح میں فرماتے ہیں) یعنی فرشتوں کی کثرت نے اس (آسمان) کو اتنا بوجھل بنا دیا ہے کہ وہ چر چراتا ہے اور یہ (آسمان کے چر چرانے والی بات تو محض ایک) مثال ہے اور (اس سے مقصد) فرشتوں کی کثرت بتلانا ہے۔ اگر چہ وہاں چر چرانا نہ پایا جاتا ہو اور مقصود اس سے صرف اللہ تعالیٰ کی عظمت کو (دلوں میں) بٹھانا ہے۔ (انتھیٰ)

خـــاتمـــــة . . . رزقنا الله تعالى حسنها

اعلم أن ما يقع من الأنبياء عليهم الصلاة والسلام من أنواع الطاعات بعد الانتقال من هذا العالم ليس على سبيل التكليف، إنما هو من جملة النعم التي أنعم الله بها عليهم فيستلذون به لكن هل يثابون عليه أم لا؟ فقال شارح المصابيح: إن للأنبياء بعد الموت وإحيائهم طاعة وعبادة كما كانت في الدنيا، وذلك لزيادة قربهم وقرباتهم. أقول وكأنه حمل الموت في قوله ﷺ إذا مات ابن آدم انقطع عمله وفيما قاله ﷺ من الأحاديث الآخر الدالة على عدم العمل بعد الموت على الموت الذي لا يعقبه حياة حقيقة أو رأى هذا الحكم من خصائصهم والجواب الأول الذي سياتي في كلام القاضي مشير إلى الوجه الأول.

خاتمہ...... اللہ تعالیٰ ہم کو اچھا خاتمہ عطاء فرمائیں

یہ جاننا چاہئے کہ اس دنیا سے انتقال کے بعد انبیاء علیہم السلام سے جو مختلف قسم کی طاعات واقع ہوتی ہیں وہ بطور امتحان کے نہیں وہ تو محض ان انعامات میں سے ایک انعام ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کئے ہیں۔ اس لئے وہ ان طاعات سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ ان طاعات کے کرنے سے ان کو ثواب بھی ملتا ہے یا نہیں؟ تو (اس کے جواب میں) شارح مصابیح فرماتے ہیں: بے شک انبیاء علیہم السلام کی (اپنے) مرنے اور مرنے کے بعد (دوبارہ) زندہ کئے جانے کے بعد طاعت اور عبادت کرنے (کی حیثیت) ایسی ہی ہے۔ جیسا کہ دنیا میں تھی اور (ان کی عبادت کی یہ حیثیت اس لئے ہے تا کہ) ان کا (اللہ تعالیٰ کے) ہاں قرب (بھی زیادہ ہو) اور نیکیاں (بھی) زیادہ ہوں۔ میں (مصنف) کہتا ہوں گویا کہ شارح مصابیح نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد ''اذا مات ابن آدم انقطع عملہ'' اور دیگر وہ احادیث جو موت کے بعد عمل کا انقطاع بتاتی ہیں میں مذکور موت سے وہ موت مراد لی ہے جس کے بعد حقیقتاً حیات نہیں آتی۔ (اور ایسا عام مردوں میں ہوتا ہے، اس کے برعکس انبیاء میں حقیقی حیات آجاتی ہے) یا اس حکم کو ان کی خصوصیات میں سے سمجھا ہے اور (قاضی عیاض کے پانچ جوابات میں سے) پہلا جواب جو کہ عنقریب قاضی کے کلام میں آئے گا، پہلی وجہ (انبیاء میں حقیقی حیات آجانے) کی طرف مشیر ہے۔

أخرج الشيخان عن ابن عباس قال سرنا مع رسول الله ﷺ بين مكة والمدينة فمررنا بوادٍ فقال أي وادٍ هذا؟ فقالوا وادي الأزرق قال: كأني أنظر إلى موسى عليه السلام، فذكر من لونه وشعره شيئا واضعا أصبعيه في

أذنيه له جؤار[1] بالتلبية مار ابهذا الوادي ثم سرنا حتى أتينا على ثنية فقال أي ثنية هذه قالوا هرشى أو لفت[2] فقال:
كأني أنظر إلى يونس علیہ السلام على ناقة حمراء عليه جبة صوف خطام ناقته ليف خلبة مار ابهذا الوادي ملبيا.

امام بخاری اور مسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ (ایک دفعہ) ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیاں چل رہے تھے تو ہمارا گزر ایک وادی سے ہوا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ کون سی وادی ہے؟ تو ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا کہ وادی الازرق ہے، تو فرمایا گویا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف دیکھ رہا ہوں (اور پھر ان کے رنگ اور بالوں کے متعلق کچھ ذکر فرمایا جس کو حدیث کے راوی داود یاد نہ رکھ سکے) اس حال میں کہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالے ہوئے تھے اس وادی سے گزرتے ہوئے تلبیہ کی ادائیگی میں آپ علیہ السلام کی آواز بلند تھی۔ (ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) پھر ہم چلے یہاں تک کہ ایک ٹیلے کے پاس آئے تو پھر فرمایا کہ یہ کون سا ٹیلہ ہے؟ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب میں عرض کیا کہ ہرشی یا لفت نامی مقام کا ٹیلہ ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گویا کہ میں یونس علیہ السلام کو ایک سرخ اونٹنی پر اس حال میں دیکھ رہا ہوں کہ ان پر اون کا جبہ ہے، ان کی اونٹنی کی مہار کھجور کی چھال کی ہے وہ اس وادی سے تلبیہ پڑھتے ہوئے گزر رہے ہیں۔

ذكر الإمام النووي في شرحه على صحيح مسلم ما نصه: قال القاضي عياض: فإن قيل كيف يحجون ويلبون وهم أموات وهم في دار الآخرة[3] وليست دار عمل؟ فاعلم أن للمشائخ وفيما ظهر لنا عن هذا أجوبة، أحدها أنهم كالشهداء بل أفضل منهم والشهداء أحياء عند ربهم فلايبعد أن يحجوا ويصلوا لأنهم وإن كانوا اقدتوفوافهم في هذه الدنيا التي هي دار العمل حتى إذا فنيت مدتها وتعقبتها الآخرة التي هي دار الجزاء انقطع العمل الثاني أن عمل الآخرة ذكر ودعاء قال الله تعالى دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ. الثالث أن يكون هذا رؤيا منام[4]. الرابع أنه ﷺ أُرِيَ أحوالهم التي كانوا عليها في الدنيا في حياتهم وكيف تلبيتهم وكيف حجهم. الخامس أن الله أوحى إليه ما كان منهم، وإن لم يرهم رأى عين، هذا آخر كلام القاضي والله أعلم. انتهى

امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی مسلم شریف کی شرح میں فرمایا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ (انبیاء) حج کیسے کر سکتے ہیں اور تلبیہ کیسے پڑھ سکتے ہیں۔ حالانکہ وہ فوت ہو چکے ہیں اور آخرت میں ہیں اور وہ عمل کی جگہ نہیں تو آپ کو پتہ ہونا چاہئے کہ مشائخ کی طرف سے بھی اور ہمارے ذہن میں بھی اس کے متعلق کئی جوابات ہیں، ایک جواب ان میں سے یہ ہے کہ وہ (انبیاء) شہداء کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی افضل ہیں اور شہداء

[1] كذا في صحيح مسلم بزيادة لفظ إلى الله بالتلبية إلخ ج ۱ ص ۹۵ طبع أصح المطابع.

[2] كحبر وفلس حاشية صحيح مسلم.

[3] في الدار الآخرة كذا في شرح النووي المطبوعة ص ۹۴.

[4] في شرح النووي هكذا: أن تكون هذه رؤية منام في غير ليلة الإسراء أو في بعض ليلة الإسراء كما قال في رواية ابن عمر بينا أنا نائم رأيتني أطوف بالكعبة وذكر الحديث في قصة عيسى شرح النووي ج ۲ ص ۹۴ أبو سعيد السندي.

اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں تو انبیاء کا حج کرنا اور نمازیں پڑھنا بھی بعید نہیں۔ اس لئے کہ وہ (انبیاء) اگر چہ وہ وفات پا چکے ہیں لیکن پھر بھی وہ اسی دنیا میں ہیں جو کہ دار العمل ہے یہاں تک کہ جب اس (دنیا) کی مدت (عمر) ختم ہوگی اور اس کے بعد آخرت آئے گی جو کہ دار الجزاء ہے تو پھر جا کر (انبیاء کا) عمل ختم ہوگا (اس سے پہلے نہیں) دوسرا جواب یہ ہے کہ آخرت کا عمل ذکر اور دعا ہے (اس پر دلیل یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا جنت میں ان (جنتیوں) کی دعا سبحنک اللھم ہوگی اور ان کا تحیۃ سلام ہوگا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ (حج اور تلبیہ کوئی حقیقی حج اور تلبیہ نہیں بلکہ) خواب کی بات ہے۔ چوتھا جواب یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے وہ حالات دکھائے گئے جو دنیا کی زندگی میں ان کی حیات کے دوران ان پر گزرے تھے۔ (ان حالات میں سے) خاص طور پر ان کے تلبیہ پڑھنے کی کیفیت اور ان کے حج کرنے کی کیفیت دکھائی گئی۔ پانچواں جواب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان انبیاء سے ان کی حیات میں وقوع پذیر ہوا وہ بذریعہ وحی رسول اللہ ﷺ کو بتلا دیا (اور چونکہ وحی سے معلوم شدہ بات یقینی ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس یقینی بات کو آنکھوں سے دیکھنے سے تعبیر کیا) اگر چہ رسول اللہ ﷺ نے ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ یہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کی آخری بات ہے۔ واللہ اعلم انتہیٰ!

أقول: الجواب الأوّل بمنع قوله وهم في الدار الآخرة, والثاني بمنع قوله وليست دار عمل وحاصله أن الآخرة ليست بدار عمل على سبيل التكليف, لا أنه لايوجد فيها العمل, وحاصل الأجوبة الثلاث الأخيرة منع كونهم يحجون بعد الانتقال فهذه الأجوبة الخمسة يمكن أن يجاب بكل منها عن حجهم وتلبيتهم التي دل عليها الحديث المذكور. وأما ما صح أنه ﷺ صلى بهم ليلة الإسراء ورأى موسى يصلي في قبره وقال إنهم أحياء يصلون في قبورهم كما سبق, فيمكن أن يجاب عنه بالجوابين الأولين والأجوبة الثلاثة الأخيرة لايمكن إجراؤها فيه.

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ پہلا جواب تو یہ بات کر کے دیا ہے کہ (معترض کے اعتراض کا یہ حصہ کہ وفات کے بعد) وہ (انبیاء) آخرت میں ہیں ہمیں تسلیم نہیں ہے (بلکہ وہ دنیا میں ہیں) دوسرا جواب یہ بات کر کے دیا ہے کہ (معترض کے اعتراض کا یہ حصہ کہ وہ (آخرت) عمل کی جگہ نہیں) ہمیں تسلیم نہیں ہے اور اس (دوسرے جواب کا) حاصل یہ ہے کہ آخرت بطور آزمائش (اور امتحان) عمل کی جگہ نہیں ہے نہ یہ کہ اس میں عمل (سرے سے ہوتا ہی) نہیں (بلکہ عمل تو ہوتا ہے لیکن بطور امتحان نہیں ہوتا) اور آخری تین جوابوں کا خلاصہ یہ ہے ہم اس بات کے تو قائل ہی نہیں کہ وہ حج (اور تلبیہ جو رسول اللہ ﷺ نے ان کو کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے اپنے) انتقال کے بعد کیا۔ خلاصہ یہ کہ پانچوں جوابات میں سے ہر ایک جواب کے ذریعے انبیاء کے اس حج اور اس تلبیہ کے متعلق جو حدیث مذکور (کے ظاہر کی رو سے معلوم ہو رہے ہیں (کہ وہ انبیاء کی وفات کے بعد وقوع پذیر ہوئے، ہونے والے اعتراض کا) جواب دیا جا سکتا ہے۔ باقی رہی وہ صحیح حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے ان (انبیاء) کو اسراء والی رات نماز پڑھائی اور یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور ارشاد فرمایا کہ وہ (انبیاء) اپنی قبور میں (اس حال میں) زندہ ہیں کہ نماز پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ گزر چکا تو اس (حدیث) کا جواب تو صرف پہلے دو جوابوں کے ذریعے ہی ممکن ہے، آخری تین جواب اس میں نہیں چل سکتے۔

واعلم أن القاضي لم يتعرض في الجواب لقول السائل وهم أموات لأنهم وإن كانوا أحياء حياة حقيقية بأرواحهم وأجسادهم بالمعنى الذي ذكرناه ويصلون صلاة حقيقية بالقيام والركوع والسجود أو بالوجه الذي يعلمه الله تعالى وينطقون برد السلام حتى يسمعه من شاء الله إلا أن تلك الحياة الحقيقية ليست مما يدركها كل واحد بل لا يدركها إلا الخواص ولذلك نص الإمام الشعراني على أنه لا يراها حقيقية إلا من انكشف عن قلبه سبعون ألف حجاب.

صلوات الله وتسليماته عليهم أجمعين وآل كل وسائر الصالحين، أللهم خذ بنواصينا إلى كل خير واحفظنا من كل ضير، وسلام على المرسلين، والحمد لله رب العالمين.

جاننا چاہئے کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جواب میں معترض کے (اعتراض کے اس حصہ کا تو جواب دیا ہی نہیں کہ وہ (انبیاء) مردہ ہیں۔ (حالانکہ یہ ایک غلط بات ہے اور قابل جواب ہے) اس لئے (جواب نہیں دیا) کہ اگرچہ وہ اپنی روحوں اور جسموں سمیت اس معنی میں واقعی زندہ ہیں جو ہم (پیچھے مفصلاً) ذکر کر چکے ہیں اور قیام، رکوع اور سجود کر کے یا وہ طریقہ اختیار کر کے جو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، حقیقی (بھی) نماز پڑھتے ہیں اور سلام کا جواب دینے میں بولتے (بھی) ہیں۔ یہاں تک اس جواب کو وہ آدمی سنتا (بھی) ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے چاہا مگر (چونکہ) یہ حقیقی زندگی ایسی نہیں ہے جس کو ہر ایک آدمی معلوم کر سکے بلکہ اس کو صرف خواص ہی معلوم کرتے ہیں۔ اسی وجہ تو سے امام شعرانی رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ اس (انبیاء کی حیات کے) حقیقی حیات (ہونے) کا عقیدہ وہی شخص رکھ سکتا ہے جس کے دل سے ستر ہزار پردے ہٹے ہوئے ہوں (اس لئے اس حصہ اعتراض کا جواب نہیں دیا) •

سب صحابہ پر اور (ان میں سے) ہر ایک کی آل پر اور تمام صالحین پر صلاۃ وسلام ہو۔ اے اللہ (ہمیں) ہماری پیشانیوں سے پکڑ کر ہر خیر کے کام میں لگا دیجئے اور ہر شر سے ہماری حفاظت فرما دیجئے۔

والسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین!

ملاحظة: قد كتب في آخر النسخة المنقول عنها في الكاتب هكذا تم الكتاب وفرغ وانقضى على يد كاتبه افقر العبيد واحوجهم الى ربه المجيد جامع بن الشيخ خير بن جامع البكرى نسبا والشافعي مذهبا للشيخ الامام العالم العلامة المحقق المدقق سيبويه زمانه فذاك الشيخ ابو الحسن غفر الله لنا وله واسكننا واياه فسيح جنته والمؤمنين اجمعين آمين اوّل وقت العصر لاحدى وعشرين في شهر رجب يوم السبت سنة ١١٧٦ من الهجرة النبوية على صاحبها افضل الصلوة والسلام.

كتبه ببنانه للطبع والنشر من تلك النسخة القديمة اللملوكة لمولانا السيد وهب الله صاحب العلم ابو سعيد غلام مصطفى السندى بعجلة فى وقت يسير فلله الحمد والمنة ١٧/١/١٩٧١ ...... ١٣٩١ھ

تم تصحيحه بعون الله تعالى وتوفيقه

